اہل بیت کے شیعہ

آیۃ اللہ محمد مہدی آصفی

مترجم : نثار احمد زین پوری

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

فہرست مطالب

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ و کلیاں رنگ و نکھار پیدا کرلیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔اسلام کے مبلغ و موسس سرور کائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمۂ حق و حقیقت سے سیراب کردیا، آپ کے تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑگئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں ۔

اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہبِ عقل و آگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔اگرچہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیرووں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار و نظریات سے متاثر اسلام و قرآن مخالف فکری و نظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگین تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشت پناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر

زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت واقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامراں زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین وبے تاب ہیں،یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھاکر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

(عالمی اہل بیتؑ کونسل) مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے پیرووں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہوسکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوّتو رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خوں خواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیتؑ کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے،فاضل علاّمہ آیۃ اللہ محمد مہدی آصفی کی گرانقدر کتاب ''اہل بیتؑ کے شیعہ ''کو فاضل جلیل مولانا نثار احمد زین پوری نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا

ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں ،اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(قل لا أسأ لکُم عَلَیہِ أجرا إلّا المَوَدّۃَ فِی القُربی[1] اے رسول، کہہ دیجئے کہ میں تم سے تبلیغ کی کوئی اجرت نہیں چاہتا ہوں سوائے اس کے کہ تم میرے قرابداروں سے محبت کرو۔ (إنّما وَلیّکُمُ اللّٰہ وَ رَسُولُہ وَ الّذِین آمَنُوا الّذِین یُقیمُون الصّلاۃ وَ یُؤتُون الزّکاۃَ وَ ھُم رَاکِعُون[2] تمہارا ولی خدا ،اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکواۃ دیتے ہیں۔ (یا أیُّھا الرَّسُولُ بَلّغ ما أُنزِلَ إِلیکَ مِن رَّبّکَ وَإن لّم تَفعَل فَمَا بَلَّغتَ رِسالَتَہ وَاللّٰہ یَعصِمُکَ مِن النّاسِ[3]) اے رسول اس پیغام کو پہنچا دیجئے جو آپ پر نازل کیا جا چکا ہے اگر آپ نے یہ پیغام نہ پہنچایا تو گویا رسالت کا کوئی کام ہی انجام نہ دیا خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

---

[1] سورہ شوریٰ: ۲۳
[2] سورہ مائدہ : ۵۵
[3] سورۂ مائدہ : ۶۷

پیش گفتار

اہل بیت کے شیعہ کون ہیں؟

پیش گفتار ''تشیع'' کے معنی نسبت، مشایعت، متابعت اور ولاء کے ہیں، یہ لفظ قرآن مجید میں بھی بیان ہوا ہے:(وَ اِنَ مِن شِیعَتِہِ لإبرَاھِیمَ إذ جَاءَ رَبَّہُ بِقَلبِ سَلِیم[1])ان کے شیعوں میں سے ابراہیم بھی ہیں جب وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں قلب سلیم کے ساتھ آئے۔

یعنی نوحؑ کے پیروؤں میں سے ابراہیمؑ بھی تھے جو خدا کی وحدانیت اور عدل کی طرف دعوت دیتے تھے اور نوحؑ ہی کے نہج پر تھے۔ لیکن یہ لفظ علیؑ بن ابی طالب اور آپؑ کے بعد آپؑ کی ذریت سے ہونے والے ائمہ سے محبت و نسبت رکھنے والوں کے لئے استعمال ہونے لگا ہے۔ یہی رسولؐ کے اہل بیتؑ ہیں کہ جن کی شان میں آیت تطہیر اور آیت مودت نازل ہوئی ہے۔

تاریخ اسلام میںیہ لفظ اہل بیت رسولؐ سے محبت و نسبت اور ان کے مکتب سے تعلق رکھنے والوں کے لئے شہرت پا گیا ہے۔ اس محبت و نسبت اور اتباع کے دو معنی ہیں:سیاسی اتباع و نسبت (سیاسی امامت) اورثقافتی و معارفی اتباع (فقہی و ثقافتی مرجعیت) یہ وہ چیز ہے جس کے ذریعہ شیعیانِ اہل بیتؑ پہچانے جاتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اب آپ کے سامنے مذکورہ دونوں شقوں کی وضاحت کی جاتی ہے: ۱۔اہل بیت کی سیاسی امامت رسولؐ نے حجۃ الوداع سے واپس لوٹتے ہوئے، غدیر خم میں (قافلہ کے) مختلف راستوں میں بٹنے سے پہلے یہ حکم دیا کہ جو لوگ آگے بڑھ گئے ہیں ان کو واپس بلایا جائے اور جو پیچھے رہ گئے ہیں وہ آپ سے ملحق ہو جائیں یہاں تک کہ آپؐ کے پاس لوگوں کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ اس وقت شدید گرمی تھی اس سے پہلے وہ اتنی شدید گرمی سے دوچار نہیں ہوئے تھے۔رسولؐ کے حکم سے شامیانے لگائے گئے ان کے نیچے جھاڑو لگائی گئی، پانی چھڑکا گیا آپؐ کے لئے کپڑے سے سایہ کیا گیا۔ آپؐ نے نماز ظہر پڑھی پھر خطبہ دیا اور لوگوں کو اس بات سے

[1] سورۂ صافات، ۸۳

آگاہ کیا کہ آپ کا وقت قریب ہے پھر آپؐ نے علی بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑا (اور اتنا بلند کیا کہ) آپ کی بغلوں کی سفیدی نمایاں ہو گئی اس کے بعد فرمایا :اے لوگو!کیا میں تم سب سے اولیٰ نہیں ہوں۔ سب نے کہا : ہاں! پھر فرمایا : جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علی مولا ہیں، اے اللہ جو ان کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ اور جو ان کو دشمن سمجھے تو اس کو دشمن سمجھ، جو ان کی نصرت کرے تو اس کی مدد فرما اور جو ان کو چھوڑ دے تو اس کو رسوا فرما۔ خدا نے اپنے رسول کو اس سے پہلے اس پیغام کو پہنچانے کا حکم دیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے : (یَا أَیُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَیْکَ مِن رَّبِّکَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ[1]) اس آیت میں خدا نے رسولؐ کو یہ حکم دیا ہے کہ لوگوں کو اپنے بعد ہونے والے وصی اور ولی کا تعارف کرا دیں۔

یہ بات آیت میں بڑی تاکید کے ساتھ کہی گئی ہے ، ہمیں قرآن مجید میں کوئی دوسری آیت ایسی نہیں ملتی جس میں رسول کو اس انداز میں مخاطب کیا گیا ہو (وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ) اس کے بعد رسول کو اطمینان دلانے کے انداز میں مخاطب کیا ہے کیونکہ اس وقت رسولؐ خود کو لوگوں کے شر سے محفوظ نہیں سمجھ رہے تھے لہذا خدا نے فرمایا : (وَاللَّهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ)جب رسولؐ نے لوگوں کو ولایت اور وصایت کے بارے میں بتا دیا اور تبلیغ دین کی تکمیل کر دی تو اس سلسلہ میں خدا نے فرمایا :(أَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِینَکُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِیتُ لَکُمُ الإِسْلاَمَ دِینًا)عہد صحابہ سے آج تک تاریخ کے اس عظیم واقعہ کی روایتیں ہر طبقہ اور سند کے اعتبار سے متواتر ہیں چنانچہ طبقہ اولیٰ میں ایک سو دس صحابہ سے زیادہ نے اس کو بیان کیا ہے اور دوسرے طبقہ میں ۸۴ تابعین نے اس کی روایت کی ہے ،اس کے بعد راویوں کے طبقات میں وسعت ہوتی رہی شیخ عبد الحسین امینی نے اپنی کتاب ''الغدیر '' کی پہلی جلد میں اس حدیث کے راویوں کی تعداد بیان کی ہے ،ہمارے ساتھی محقق سید عبد العزیز طباطبائی نے اس کی مستدرک لکھی ہے، جس میں موصوف نے کچھ صحابہ، تابعین ،تبع تابعین اور منابع و ماخذ کا اضافہ کیا ہے ۔اس حدیث کے طرق اتنے صحیح ہیں کہ اس میں شک نہیں کیا جا سکتا ،کیونکہ اس حدیث کو حفاظ، محدثین ، مفسرین ، مورخین اور بہت سے لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ان سب کا بیان کرنا

[1] سورۂ مائدہ ، ۶۷۔

ہماری طاقت سے باہر ہے، ترمذی اپنی صحیح میں، ابن ماجہ نے سنن میں، احمد بن حنبل نے مسند میں، نسائی نے خصائص میں، حاکم نے مستدرک میں، متقی ہندی نے کنز العمال میں، مناوی نے فیض القدیر میں، ہیثمی نے مجمع الزوائد میں، محب الطبری نے ریاض النضرۃ میں، خطیب نے تاریخ بغداد میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں، ابن اثیر جزری نے اسد الغابۃ میں، طحاوی نے مشکل الآثار میں، ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں، ابن حجر نے صواعق محرقہ میں، ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اور بہت سے لوگوں نے حدیث غدیر کی روایت کی ہے کہ اس مقدمہ میں ان کا ذکر نہیں کیا جا سکتا۔

ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں بعض ان صحابہ کے اسماء تحریر کئے ہیں جنہوں نے حدیث غدیر کی روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ ابن جریر طبری نے اپنی تالیف میں حدیث ولایت کو نقل کیا ہے، اس میں اس حدیث کو نقل کرنے والوں کی تعداد کئی گنا زیادہ ہے اور موصوف نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں: ابو العباس بن عقدہ نے اس حدیث کے طرق کو جمع کیا ہے اور ستر یا ستر سے زیادہ صحابہ سے اس کی روایت کی ہے[1]۔

فتح الباری میں لکھا ہے: لیکن، حدیث "من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ" کو ترمذی اور نسائی نے نقل کیا ہے اور اس کے طرق بہت زیادہ ہیں۔ ان طرق کو ابن عقدہ نے ایک الگ کتاب میں جمع کیا ہے۔ اس حدیث کی زیادہ تر سندیں صحیح اور حسن ہیں[2]۔ لہذا اس کے متن و سند میں کوئی شک نہیں کرے گا اور اس کے جو قرائن ہیں وہ اتنے روشن ہیں کہ شک کی گنجائش ہی نہیں رہتی ہے۔ رسولؐ کا شدید گرمی میں صحابہ کے جم غفیر کو، ان کے مختلف راستوں میں تقسیم ہونے سے قبل، جمع کرنا اور جو پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار کرنا اور جو آگے نکل گئے تھے ان کو پیچھے بلانا، امت کی سرنوشت میں اہمیت کے حامل ایک امر کے لئے تھا۔ رسولؐ نے علیؑ کا ہاتھ بلند کرنے اور "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کہنے سے پہلے صحابہ سے معلوم کیا: کیا میں تمہارے نفسوں پر خود تم سے زیادہ حق تصرف نہیں رکھتا ہوں؟ سب نے کہا: بیشک، آپ اولیٰ ہیں اور یہ تمام مسلمانوں پر رسولؐ کی حاکمیت و ولایت کے معنی

---

[1] تہذیب التہذیب: ج۷ ص ۳۳۹حالات علی بن ابی طالب
[2] فتح الباری : ج ۸ ص ۷۶ب ۹ مناقب علی بن ابی طالب

ہیں۔لہذا فرمایا'' :من کنت مولاہ فھذا عليّ مولاہ ''پھر بہت سے بزرگ صحابہ علیؑ کو ولایت کی مبارک باد دینے کے لئے خدمت علیؑ میں حاضر ہوئے ،ان میں ابوبکر و عمر بھی شامل تھے۔اس کے علاوہ اس کی دلالت، شہرت، گواہی اور تصریح رسولؐ کے بعد ہونے والے خلیفہ اور امام کے لئے کافی ہے ۔ اس سے رسولؐ کا مقصد تھا کہ علیؑ کو اپنے بعد مسلمانوں کا امام بنا دیں مگر کیا کیا جائے کہ سیاسی امور آڑے آگئے اور لوگ اس حدیث کی دلالت میں شک کرنے لگے جبکہ اس کی سند میں شک کرنا ان کے لئے آسان نہیں تھا۔شیعیان اہل بیت اس اور دوسری واضح و صحیح حدیثوں کی روشنی میں رسولؐ کے بعد علیؑ کو اور ان کے بعد ان کی ذریت سے ہونے والے ائمہ کو سیاسی امام تسلیم کرتے ہیں۔

اہل بیتؑ، فقہی و ثقافتی مرجعیت

یہ نکتہ ان دو روشن شقوں میں سے ایک ہے جن کے ذریعہ اہل بیتؑ کے شیعہ دوسرے مسلمانوں سے جدا ہوتے ہیں۔رسولؐ نے اہل بیتؑ کو اپنی حیات ہی میں مسلمانوں کا مرجع بنا دیا تھا کہ وہ حلال و حرام میں ان سے رجوع کریں گے وہ انہیں سیدھے راستہ کی ہدایت کریں گے اور ان کو گمراہی سے بچائیں گے : اور اہل بیتؑ کو قرآن سے مقرون کیا تھا یہ بات حدیث ثقلین سے ثابت ہے جوکہ محدثین کے درمیان مشہور ہے اور فریقین کے نزدیک صحیح ہے اور رسولؐ سے اس کی روایت متواتر ہے اور یہ تواتر ہے اور شہرت اس لئے ہے کہ رسولؐ نے اپنے بعد اس کے پھیلانے کا اہتمام کیا تھا۔

جن لوگوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے ان میں سے مسلم بن حجاج بھی ہے انہوں نے صحیح مسلم کے باب فضائل علی بن ابی طالب میں زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا : ایک روز رسولؐ خدا ایک تالاب کے کنارے ، جس کو خم کہتے ہیں اور مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ہے ، ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، پہلے خدا کی حمد و ثناء کی ، پھر لوگوں کو وعظ و نصیحت کی اس کے بعد فرمایا : اے لوگو! میں بھی بشر ہوں، قریب ہے کہ خدا کا فرستادہ آئے اور میں اس کی آواز پر لبیک کہوں، میں

تمہارے درمیان دوگراں قدر چیزیں چھوڑنے والا ہوں ان میں سے ایک کتاب خدا ہے جس میں ہدایت و نور ہے، لہٰذا کتاب خدا کو لے لو اور اس سے وابستہ ہو جاؤ، کتاب خدا کے بارے میں ترغیب کی۔ پھر فرمایا: اور میرے اہل بیتؑ ہیں میں اپنے اہل بیتؑ کے بارے میں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ تین بار یہی جملہ دہرایا[1]۔ ترمذی نے اپنی صحیح میں زید بن ارقم سے اسی طرح حدیث نقل کی ہے ۔ زید بن ارقم کہتے ہیں: رسولؐ نے فرمایا: میں تمہارے درمیان دوچیزیں چھوڑنے والا ہوں اگر تم اس سے وابستہ رہوگے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے ان میں سے ایک دوسری سے عظیم ہے ایک کتابِ خدا ہے جو رسی کی مانند آسمان سے زمین تک ہے، دوسری میری عترت ہے وہی میرے اہل بیتؑ ہیں یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر وارد ہوں گے، دیکھنا یہ ہے کہ میرے بعد تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو[2]۔

ترمذی نے جابر بن عبد اللہ سے بھی اس کی روایت کی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے عرفہ کے روز رسولؐ کو دیکھا وہ ناقہ قصویٰ پر سوار ہیں اور خطبہ دے رہے ہیں، میں نے سنا کہ فرماتے ہیں: اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس سے وابستہ ہو گئے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ ہے کتاب خد اور میرے اہل بیت عترت[3]۔ حاکم نے مستدرک الصحیحین میں اس حدیث کو اپنی سند سے زید بن ارقم سے متعدد طریقوں سےنقل کیا ہے ۔[4]

احمد بن حنبل نے مسند میں اس حدیث کو کئی طریقوں سے نقل کیا ہے: ابو سعید خدری سے [5] زید بن ارقم سے [6] اور زید بن ثابت سے اس کو دو طریقوں سے نقل کیا ہے۔[7] اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں، اس کی سندیں صحیح ہیں لہذا یہ حدیث مستفیض ہے ۔ اور اس کی صحت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو مسلم و ترمذی نے اپنی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے ۔ علامہ میر حامد حسین لکھنوی نے

---

[1] صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ ، باب فضائل علی بن ابی طالب
[2] سنن ترمذی : ج۲ ص ۳۰۸ کتاب المناقب، اہل نبی ح ۳۷۸۸
[3] سنن ترمذی : ج ۲ ص ۳۰۸
[4] مستدرک الصحیحین:ج ۳ ص ۱۰۹، ۱۴۸
[5] مسند احمد ج۳ ص ۱۷
[6] مسند احمد ج۴ ص ۳۷۱
[7] مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۱

(عبقات الانوار)میں اس حدیث کے طرق کو تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے وہ ایک بڑی کتاب ہے اس کی دوسری جلد میں حدیث کی دلالت سے بحث کی ہے ابھی کچھ عرصہ پہلے ان دونوں جلدوں کو دس جلدوں میں طبع کیا گیا ہے ۔خدا سید میر حامد حسین پر رحم کرے اور ان کی اس علمی کوشش کو قبول فرمائے۔ اس حدیث میں:ا۔اہل بیتؑ کو رسولؐ نے قرآن کے برابر قرار دیاہے۔

۲۔ دونوں کو خطا و گمراہی سے محفوظ قرار دیا ہے۔

۳۔ اپنی امت کو دونوں سے تمسک کرنے کا حکم دیا ہےاور اس کی تاکید کی ہے۔

۴۔ امت کو یہ بھی بتایا ہے کہ یہ دونوں-قرآن و اہل بیتؑ -ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوض کوثر پر آپؐ کے پاس وارد ہوں گے پس یہ دونوں رسولؐ کے بعد ہر چیز میں امت کے لئے مرجع ہیں، اس دین کے حدود ، احکام اور اصول و فروع کی معرفت کے لئے انہیں سے رجوع کیا جائے گا۔ صواعق میں ہیثمی لکھتے ہیں: جن حدیثوں میں امت کو اہل بیتؑ ،سے تمسک کرنے کی ترغیب کی گئی ہے ان میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اہل بیتؑ،سب سے لائق و شائستہ افرد،کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا تاکہ امت ان سے وابستہ ہو سکے اسی طرح قرآن بھی قیامت تک باقی رہے گا، یہ زمین کے لئے باعثِ امان ہیں جیسا کہ اس حدیث: فی کل خلف من امتي عدول من اہل بیتي[1] میری امت کی ہر نسل میں میرے اہل بیت سے کچھ عادل ہوں گے[2]۔

یہ تھا اس اہم نقطہ کا خلاصہ جس سے شیعہ ممتاز ہوتے ہیں۔اس بحث سے جو ہمارا مقصد ہے اس تک پہنچنے کے لئے یہی کافی ہے کیونکہ یہ کتاب شیعیان اہل بیت کے عقائد کو بیان کرنے کے لئے کافی نہیں ہے اسی لئے ہم نے محبتِ اہل بیت سے متعلق درج ذیل چار

[1] الصواعق المحرقہ: ۱۵۱ طبع مصر ۱۹۶۵ء
[2] جو شخص اس مقدمہ کو پڑھتا ہے وہ یہ سوال کرتا ہے کہ اہل بیت کون ہیں اور کیا خصوصیات ہیں ،اس سوال کا جواب دینے کیلئے ہم کتاب کے آخر تک گفتگو جاری رکھیں گے تاکہ سلسلہ منقطع نہ ہو۔

نکات سے بحث کرنے کے لئے مذکورہ دوکو تمہید کے طور پر اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، اوروہ نکات یہ ہیں:۱۔ اہل بیتؑ سے محبت و نسبت کی قدر و قیمت

۲۔ مکتبِ اہل بیت سے محبت کرنے اور اس سے منسوب ہونے کے عام شرائط

۳۔ محبت کے اجزا اور اس کے عناصر

۴۔ مکتب اہل بیت سے نسبت و محبت کے فوائداب ہم انشاء اللہ یکے بعد دیگرے ان نکات سے بحث کریں گے۔

اہل بیتؑ سے نسبت اور محبت کی قدر و قیمت

محبت اہل بیتؑ کی اہمیت خدا و رسولؐ کی نظر میں ہم یہاں اہل بیت کی محبت کی اہمیت کے بارے میں کچھ آیتیں اور کچھ حدیثیں بیان کرتے ہیں: علیؑ کے شیعہ ہی کامیاب ہیں سیوطی نے در منثور میں اس آیت: (إنَ الَّذِین آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحاتِ أُولٰئِکَ هُم خَیرُ البَرِیّۃِ[1]) کی تفسیر میں تحریر کیاہے کہ ابن عساکر نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم رسولؐ کی خدمت میں حاضر تھے کہ علیؑ تشریف لائے تو رسولؐ نے فرمایا: اس ذات کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن یہ اور ان کے شیعہ ہی کامیاب ہیں۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی: (إنَ الَّذِین آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحاتِ أُولٰئِکَ هُم خَیرُ البَرِیّۃِ)چنانچہ جب علیؑ آتے تھے تو اصحابِ رسولؐ کہتے تھے: خیر البریۃ آرہے ہیں۔

علامہ عبد الرؤف المناوی نے اپنی کتاب ''کنوز الحقائق'' کے صفحہ ۸۲ پر اس طرح روایت کی ہے '':شیعة عليّ هم الفائزون''علی کے شیعہ ہی کامیاب ہیں۔ پھر لکھتے ہیں اس حدیث کو دیلمی نے بھی نقل کیا ہے ۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد کی کتاب المناقب کے مناقبِ علی بن ابی طالبؑ[2] میں۔ علیؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: میرے دوستؐ نے فرمایا: اے علیؑ تم اور تمہارے

[1] سوره بينہ: ٧
[2] (مجمع الزوائد : ج٩ ص ١٣١

شیعہ خدا کی بارگاہ میں اس حال میں پہونچو گے کہ تم اس سے راضی اور وہ تم سے خوش ہوگا اور تمہارا دشمن اس حال میں حاضر ہوگا کہ خدا اس پر غضبناک ہوگا اور وہ جہنم میں جائے گا۔اس حدیث کی طبرانی نے اوسط میں روایت کی ہے۔ابن حجر نے ''صواعق کے ص ۹۶ پر روایت کی ہے اور لکھا ہے: دیلمی نے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: اے علی: مبارک ہو کہ خدا نے تمہیں، تمہاری ذریت، تمہارے بیٹوں، اہل، تمہارے شیعوں اور تمہارے شیعوں کے دوستوں کو بخش دیا ہے[1]۔ایوب سجستانی سے مروی ہے کہ انہوں نے ابو قلابہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ام سلمہؓ نے کہا: میں نے رسولؐ خدا سے سنا کہ فرماتے ہیں: قیامت کے روز علیؑ اور ان کے شیعہ ہی کامیاب ہوں گے[2]۔

علیؑ اور ان کے شیعہ بہترین خلائق ہیں

جریر طبری نے اپنی تفسیر میں خدا وند عالم کے اس قول (أُولٰئِکَ خَیرُ الْبَرِیّۃِ) کی تفسیر کے سلسلہ میں اپنی سند سے ابو جارود سے انہوں نے محمد بن علی سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ ہی کامیاب ہیں[3]۔

اس کو سیوطی نے در منثور میں جابر بن عبد اللہ انصاری سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے: اس حدیث کو ابن عدی اور ابن عساکر نے علیؑ سے مرفوع طریقہ سے نقل کیا ہے کہ: علی خیر البریۃ ہیں۔نیز تحریر کیا ہے: ابن عدی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: جب یہ آیت (إنَ الَّذِین آمَنُوا وَ عَمِلُواْ الصَّالِحاتِ أُولئک هُم خَیرُ الْبَرِیّۃِ) نازل ہوئی تو رسولؐ نے علیؑ سے فرمایا: روز قیامت تم اور تمہارے شیعہ خدا سے خوش اور وہ تم سے راضی ہوگا[4]۔نیز لکھا ہے: ابن مردویہ نے علیؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے کہا: مجھ سے رسولؐ نے فرمایا: کیا تم نے خدا کا قول (إنَ الَّذِین آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحاتِ أُولٰئِکَ هُم خَیرُ الْبَرِیّۃِ) نہیں سنا ہے؟ تمہاری اور تمہارے شیعوں کی، میری اور تمہاری وعدہ گاہ حوض کوثر ہے جب امتیں حساب کے لئے آئیں گی تو تمہیں اور تمہارے

---

[1] فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ : ج۲ ص ۱۱۷ ، ص ۱۱۸
[2] بشارت مصطفی : ص ۱۹۷
[3] تفسیر طبری: ج۳ ص ۱۷۱، سورہ بینہ
[4] در منثور : سیوطی، تفسیر بینہ

شیعوں کو عزت کے ساتھ بلایا جائیگا اور بٹھایا جائیگا ۔ابن حجر نے صواعق میں لکھا ہے:گیارہویں آیت(إنَ الَّذِين آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُوْلٰئِكَ هُم خَيرُ الْبرِيَّةِ) جمال الدین زرندی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا : یہ تم اور تمہارے شیعہ ہیں کہ قیامت کے روز تم خدا سے راضی اوروہ تم سے راضی ہوگا ۔ اور تمہارا دشمن اس حال میں آئیگا کہ وہ غصہ میں ہوگا اور اس کے ہاتھ گردن کے طوق میں پڑے ہوں گے[1]۔

اس روایت کو شبلنجی نے نور الابصار میں نقل کیا ہے[2]۔اسلام میں محبت اہل بیت کا مقام محمد بن یعقوب کلینیؒ نے اپنی اسناد سے ابو حمزہ ثمالیؒ سے اور انہوں نے ابوجعفر سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا : اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں، نماز،زکواۃ، روزہ،حج اور ولایت پر رکھی گئی ہے اور جس طرح ولایت کی طرف دعوت دی گئی ہے اس طرح کسی بھی چیز کی طرف نہیں بلایا گیا ہے[3] ۔ محمد بن یعقوب کلینی نے اپنی اسناد سے عجلان ابو صالح سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا : میں نے ابو عبد اللہ امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا :مجھے ایمان کی حدود و تعریف سے آگاہ کیجئے فرمایا : یہ گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، محمد اللہ کے رسولؐ ہیں، جو چیزوہ خدا کی طرف سے لائے ہیں وہ بر حق ہے، پانچ وقت کی نماز، ماہ رمضان کا روزہ، خانہ کعبہ کا حج ،ہمارے ولی کی ولایت اور ہمارے دشمن سے عداوت اور سچوں میں شامل ہونا[4]۔

کلینی نے اپنی اسناد سے زرارہ سے انہوں نے ابو جعفر سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا : اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اور وہ یہ ہیں، نماز ، زکواۃ ، روزہ ،حج اور ولایت[5] ۔رافضی کون ہیں روایت ہے کہ ایک روز عمار کسی گواہی کے سلسلہ میں کوفہ کے

---

[1] الصواعق المحرقہ: ۹۶

[2] نور الابصار: ج۷ ص ۷۰ و ص ۱۱۰ ، ہم نے مذکورہ روایات کوفیروز آبادی کی کتاب ، فضائل الخمسہ من صحاب الستہ طبع مجمع جہانی اہل بیت: ج۱ ص ۳۲۸ و ۳۲۹سے نقل کیاہے

[3] بحار الانوار: ج۶۸ ص ۳۲۹، اصول کافی:ج۲ ص ۱۸

[4] بحار الانوار: ج۶۸ ص ۳۲۹، اصول کافی : ج ۲ ص ۱۸

[5] بحار الانوار : ج۲: ص ۳۳۲، اصول کافی : ج۲، ص ۲۱

دیا تھا تو اس لحاظ سے رافضی وہ شخص ہے جو ان تمام چیزوں کو ٹھکرا دے جن کو خدا پسند نہیں کرتا ہے اور جس چیز کا خدا نے حکم دیا ہے اس پر عمل کرے، تو اس زمانہ میں ایسا کون ہے ؟) اور اپنے اوپر اس لئے بھی رو رہا ہوں کہ مجھے خوف ہے اگر خدا کو میرے دل کی کیفیت کا علم ہو گیا جبکہ میں نے معزز لقب پایا ہے تو میرا پروردگار مجھے سرزنش کرے گا اور فرمائے گا: اے عمار کیا تم باطل چیزوں کو ٹھکرا ئے تھے اور طاعات پر عمل کرتے تھے جیسا کہ تمہیں لقب ملا ہے ؟ اگر اس مدت میں میں سہل انگاری سے کام لونگاتو اس سے میرے درجات کم ہو جائیں گے، اور میرے اوپر شدید عقاب ہوگا مگر یہ کہ ہمارے مولا و آقااپنی شفاعت کے ذریعہ ہماری مدد کریں۔

قاضی ابن ابی لیلیٰ کے پاس گئے۔ قاضی نے ان سے کہا: اے عمار تم اٹھو! حقیقت یہ ہے کہ ہم تمہیں پہچان گئے ہیں تمہاری گواہی قبول نہیں کی جائیگی کیونکہ تم رافضی ہو، (یہ سن کر) عمار کھڑے ہو گئے اوران پر رقت طاری ہوگئی اور ان کا جوڑ جوڑ کا نپنے لگا۔ ابن ابی لیلیٰ نے ان سے کہا: آپ تو عالم و محدث ہیں اگر آپ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ آپ کو رافضی کہا جائے تو رفض کو چھوڑ دیں، پھر تم ہمارے بھائی ہو۔ عمار نے اس سے کہا: جو تمہارا مسلک ہے وہی میرا مسلک ہے، لیکن مجھے اپنے اور تمہارے اوپر رونا آ رہا ہے، اپنے اوپر تو میں اس لئے رو رہا ہوں کہ جس عظیم رتبہ کی طرف تونے مجھے نسبت دی ہے میں اس کا اہل نہیں ہوں، تم نے یہ گمان کیا ہے کہ میں رافضی ہوں وائے ہو تم پر،(امام جعفر صادقؑ نے فرمایاہے: سب سے پہلے ان جادوگروں کو رافضی کہا گیا تھا جو عصا میں حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر ان پر ایمان لائے اور ان کی پیروی کی اور فرعون کے حکم کو ٹھکرا دیااور اپنے فائدہ کی ہر چیز کو قبول کر لیا تو فرعون نے انہیں رافضی کا نام دیا کیونکہ انہوں نے فرعون کے دین کو ٹھکرا دیا تھا تو اس. اورتمہارے اوپر اس لئے رو رہا ہوں کہ تم نے میرا ایسا نام رکھا ہے جس کا میں اہل نہیں ہوں مجھے ڈر ہے کہ تمہارے اوپر خدا کا عذاب نہ آجائے کہ تم نے شریف ترین نام رکھا ہے اور اس کو پست ترین خیال کیا ہے تمہارا بدن اس بات کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا؟ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: اگر عمار کے اوپر آسمانوں اور زمینوں سے بھی زیادہ گناہ ہوتے تو ان کی اس گفتگو کے سبب ان سب کو محو کر دیا جاتا۔ یہ کلمات ان کے پروردگار کی بارگاہ میں ان کے حسنات میں اضافہ کریں گے یہاں تک کہ ان کے کلام کا معمولی حصہ بھی اس دنیا سے ہزار گنا بڑا ہوگا[1]۔

ہر محبت کا دعویدار شیعہ نہیں ہےامام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ہم لوگوں کا گزر بازار میں اس شخص کے پاس سے ہوا جو یہ کہہ رہا تھا میں محمد و آل محمدؐ کا مخلص شیعہ ہوں وہ اپنا کپڑا فروخت کرنے کی غرض سے یہ آواز دے رہا تھا کہ کون زیادہ مہنگا خریدے گا؟امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا'' :ما جہل ولا ضاع امرؤ عرف قدر نفسہ،أتدرون ما مثل ھذا؟ ھذا شخص قال أنا مثل سلمان، و

[1] بحار الانوار: ج۶۸ ص ۱۵۶ و ۱۵۷

أبي ذر ، و المقداد، و عمار، و هو مع ذلک یباخس فی بیعہ و یدلس عیوب المبیع علیٰ مشتریہ، و یشتری الشیء بثمن، فیزاید الغریب، یطلبہ فیوجب لہ ثم اذا غاب المشتری قال لا أریدہ إلا بکذا بدون ما کان طلبہ منہ ،أیکون ھذا کسلمان و أبي ذر و المقداد و عمار؟ حاش اللہ ان یکون ھذا کھم، ولکن ما یمنعہ من أن یقول إنی من محبی محمد و آل محمد و من یوالی أولیاۂ و یعادی أعداءھم ''۔کیا تم جانتے ہو کہ اس کی مثال کیا ہے ؟یہ شخص کہہ رہا تھا میں سلمان، ابو ذر، مقداد اور عمار یاسر کے مثل ہوں اس کے با وجوداپنی چیز کوکم ناپتاہے اور خریدار سے اپنی اس چیز کا عیب چھپاتا ہے جس کو فروخت کر رہا ہے۔ اور معمولی قیمت میں ایک چیز خریدتا ہے اور اجنبی کو گراں قیمت پر فروخت کرتا ہے اور جب وہ چلا جاتا ہے تو اس کی برائی کرتا ہے ۔کیا یہ شخص سلمان و ابو ذر اور مقداد و عمار جیسا ہو سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں، ان جیسا نہیں ہوسکتا ،وہ کیا چیز ہے جس نے اسے یہ کہنے سے باز رکھا کہ میں محمدؐ و آل محمدؐ کے شیعوں میں سے ہوں یا ان کے دوستوں کا دوست اور ان کے دشمنوں کا دشمن ہوں[1]۔مومنین اہل جنت کے لئے ایسے ہی درخشاں ہیں جیسے آسمان پر ستارے امیر المومنین سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: یقیناً جنت والے ہمارے شیعوں کی طرف ایسے ہی دیکھیں گے جیسا کہ انسان آسمان کے ستاروں کو دیکھتا ہے[2]۔

امام صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: آسمان والوں کے لئے مومنین کا نور ایسے ہی چمکتا ہے جیسے زمین والوں کے لئے آسمان کے ستارے روشن ہیں[3]۔امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: امام صادقؑ کے چاہنے والوں کی ایک جماعت چاندنی رات میں آپؑ کی خدمت میں حاضر تھی ان لوگوں نے کہا: فرزندِ رسولؐ!کتنا اچھا ہوتا کہ یہ آسمان اور یہ ستاروں کا نور ہمیشہ رہتا۔ امام صادقؑ نے فرمایا: یہ نظم و نسق برقرار رکھنے والے چار فرشتے ،جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت زمین کی طرف دیکھتے ہیں تو تمہیں اور تمہارے بھائیوں کو زمین کے گوشہ و کنار میں دیکھتے ہیں جبکہ تمہارا نور آسمانوں میں ہوتا ہے اور ان کے نزدیک یہ

---

[1] بحار الانوار: ج ۶۸ و ۱۵۷

[2] بحار الانوار: ج۶۸ ص ۱۸ ، خصال الصدوق ۱۶۷۔

[3] بحار الانوار: ج ۷۴ ص ۲۴۳، اصول کافی: ج ۲ ص ۱۷۰ سے منقول

نور ستاروں سے زیادہ اچھا ہے اور وہ بھی اسی طرح کہتے ہیں جیسے تم کہتے ہو: ان مومنوں کا نور کتنا اچھا ہے ۔ وہ اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں ابن ابی نجران سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابوالحسنؑ سے سنا کہ فرماتے ہیں: جو ہمارے شیعوں سے عداوت رکھتا ہے در حقیقت وہ ہم سے دشمنی رکھتا ہے اور جو ان سے محبت کرتا ہے در حقیقت وہ ہم سے محبت کرتا ہے کیونکہ وہ ہم میں سے ہیں وہ ہماری ہی طینت سے پیدا کئے گئے ہیں پس جو ان سے محبت کرے گا وہ ہم میں سے ہے اور جو ان سے عداوت رکھے گا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہمارے شیعہ خدا کے نور سے دیکھتے ہیں اور خدا کی رحمت میں کروٹیں لیتے ہیں اور اس کی کرامت سے سرفراز رہتے ہیں اور ہمارے شیعوں میں جس کو بھی کوئی غم ہوتا ہے اس کے غم میں ہم بھی غمگیں ہوتے ہیں اور اس کے خوش ہونے سے ہم بھی خوش ہوتے ہیں[2]۔

شیعہ اہل بیتؑ کی نظر میں

اہل بیتؑ اپنے شیعوں سے محبت کرتے ہیں جس طرح اہل بیتؑ کے شیعہ اہل بیت سے محبت کرتے ہیں اسی طرح اہل بیت بھی اپنے شیعوں سے شدید طور پر محبت کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان کی خوشبو اور روحوں سے بھی محبت کرتے ہیں ان کے دیدار و ملاقات کو بھی دوست رکھتے ہیں وہ اسی طرح ان کے مشتاق رہتے ہیں جس طرح دو محبوب ایک دوسرے کے مشتاق رہتے ہیں اور یہ فطری بات ہے کیونکہ محبت کا تعلق طرفین سے ہوتا ہے ایک طرف سچی محبت ہوگی تو دوسری طرف بھی سچی محبت ہوگی۔ اسحق بن عمار نے علی بن عبد العزیز سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابوعبد اللہؑ سے سنا کہ فرماتے ہیں: خدا کی قسم مجھے تمہاری خوشبو، تمہاری روحیں، تمہارا دیدار اور تمہاری ملاقات بھی محبوب ہے اور میں دینِ خدا اور دینِ ملائکہ پر ہوں پس اس سلسلہ میں تم ورع کے ذریعہ میری مدد کرو کیونکہ میں مدینہ میں شعیر کی مانند ہوں۔ میں گھومتا ہوں لیکن جب تم میں سے کوئی نظر آجاتا

---

[1] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۲۴۳، عیون اخبار رضا سے منقول
[2] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۶۷، صفات الشیعہ ص ۱۶۲ سے منقول

ہے تو مجھے سکون ہو جاتا ہے[1]۔ جس طرح کالے بالوں میں سفید بال قلیل ہوتے ہیں اسی طرح میں مدنیہ میں تنہا ہوں، میں مدینہ میں گھومتا رہتا ہوں شاید تم میں سے کوئی نظر آجائے اور میں اس کے پاس آرام کروں۔ عبد اللہ بن ولید سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابو عبد اللہ سے سنا کہ فرماتے ہیں: ہم ایک جماعت ہیں خدا کی قسم میں تمہارے دیدار کو پسند کرتا ہوں اور تمہاری گفتگو کا اشتیاق رکھتا ہوں[2]۔ نصر بن مزاحم نے محمد بن عمران بن عبد اللہ سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے جعفر بن محمد علیہما السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے والد مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں ہمارے کچھ شیعہ بھی موجود تھے آپؑ ان کے قریب گئے انہیں سلام کیا اور ان سے فرمایا: خدا کی قسم میں تمہاری خوشبو اور روحوں کو دوست رکھتا ہوں، اور میں دینِ خدا پر ہوں۔ پس ورع و کوشش کے ذریعہ میری مدد کرو اور تم میں سے جو کسی کو اپنا امام بنائے اس کو اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے، تم خدا کے سرباز ہو تم خدا کے اعوان ہو، تم خدا کے انصار ہو[3]۔

محمد بن عمران نے اپنے والد سے انہوں نے ابو عبد اللہ، سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ایک روز میں اپنے والد کے ساتھ مسجد میں گیا تو دیکھا کہ منبر و قبر ۔رسولؐ۔کے درمیان آپؑ کے اصحاب کی ایک جماعت بیٹھی ہے میرے والد ان کے قریب گئے انہیں سلام کیا اور فرمایا: خدا کی قسم میں تمہاری خوشبو اور روحوں کو دوست رکھتا ہوں۔ تو اس سلسلہ میں تم ورع و جانفشانی کے ذریعہ میری مدد کرو[4]۔ یہ دو کلمات انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں: ا۔ میں تمہاری خوشبو اور روحوں سے محبت کرتا ہوں۔

۲۔ ورع و کوشش کے ذریعہ تم میری مدد کرو۔ پہلا جملہ محبت و شوق کے اعلیٰ مراتب کا غماز ہے کہ امام کو اتنا اشتیاق و عشق ہے کہ وہ اپنے شیعوں میں جنت کی خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ محبت کے بارے میں اس سے زیادہ بلیغ اور واضح تعبیر استعمال ہوئی ہوگی۔ دوسرا جملہ اس محبت کے ضوابط کو بیان کرتا ہے کیونکہ یہ محبت لوگوں کی ایک دوسرے سے محبت کے فرق سے بدلتی

[1] المحاسن : ص ۱۶۳ ، بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۲۸
[2] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۲۹
[3] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۴۳ و ۴۴، بشارت المصطفیٰ ص ۱۶۔
[4] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۶۵ و ص ۱۱۸۔

رہتی ہے یہ بھی محبتِ خدا میں سے ہے اوریہ محبت کا بلند ترین درجہ ہے لیکن طاعت وعبودیت اور ورع و تقوی میں اس کا پلہ بھاری رہے گا اور ورع و تقوے کے جتنے پلے بھاری ہوں گے اسی تناسب سے محبت میں استحکام و بلندی پیدا ہوگی۔ اسی لئے امام نے اپنے شیعوں سے یہ فرمایا ہے کہ مجھے تم سے جو محبت ہے اس میں ورع، تقویٰ اور خدا کی طاعت و عبودیت کے ذریعہ میری مدد کرو۔بیشک وہ لوگ امام کے شیعہ تھے اور اہل بیتؑ جانتے ہیں کہ شیعہ ان سے کتنی محبت رکھتے ہیں اہل بیتؑ اس محبت کے عوض ان کو اتنی ہی یا اس سے زیادہ محبت دینا چاہتے ہیں، لہٰذا اہل بیتؑ نے اپنے شیعوں سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنے نفسوں کو اس محبت کا اہل بنا لیں اوریہ اہلبیتؑ ورع و تقویٰ اور طاعت و عبودیت سے پیدا ہوگی اور اس وقت اہل بیتؑ کی اپنے شیعوں سے محبت خدا کی محبت ہی کی ایک کڑی ہوگی۔

اس طرح شیعوں سے اہل بیتؑ کی محبت ایسی ہی ہوگی جیسے باپ اپنے بیٹے سے محبت کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ بیٹا اپنے اخلاق و عادات اور کردار و آداب میں اس محبت کا اہل ہو اور وہ ایسا کام نہ کرے کہ جس سے باپ کی عزت پر حرف آئے اور اس کے دل سے بیٹے کی محبت نکل جائے اوروہ اسے عاق کر دے۔جس نے ان کے شیعوں سے عداوت کی اس نے ان سے دشمنی کی اور جس نے ان کے شیعوں سے محبت کی اس نے ان سے محبت کی۔

جس طرح بغض و محبت کا تعلق طرفین سے ہوتا ہے یعنی ایک طرف کی محبت اسی وقت سچی ہو سکتی ہے جب دوسری طرف بھی سچی محبت ہو اسی طرح تولا و تبریٰ بھی ہے پس جس طرح ہم اہل بیتؑ کے دشمنوں کو دشمن سمجھتے ہیں اور ان سے نفرت کرتے ہیں اور ان کے دوستوں سے محبت کرتے ہیں اسی طرح اہل بیتؑ بھی اس شخص کو دشمن سمجھتے ہیں جو ان کے شیعوں سے عداوت رکھتا ہے اوراس شخص سے محبت کرتے ہیں جو ان کے دوستوں سے محبت کرتا ہے۔ابن ابی نجران سے روایت ہے کہ انہوں کہا،میں نے ابوالحسنؑ سے سنا ہے: جس نے ہمارے شیعوں سے دشمنی کی در حقیقت اس نے ہم سے دشمنی کی اور جس نے ان سے محبت کی حقیقت میں اس نے ہم سے محبت کی، کیونکہ وہ ہم میں سے ہیں وہ ہماری طینت سے پیدا کئے گئے ہیں لہٰذا جو بھی ان سے

محبت کرے گا وہ ہم میں سے ہے اور جو ان سے دشمنی رکھے گا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہمارے شیعہ نورِ خدا سے دیکھتے ہیں وہ خدا کی رحمت میں چلتے پھرتے ہیں اور اس کی کرامت سے سرفراز و کامیاب ہوتے ہیں[۱]۔ابوالحسنؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: جس نے ہمارے شیعوں سے عداوت کی اس نے ہم سے عداوت کی اور جس نے ان سے محبت کی اس نے ہم سے محبت کی کیونکہ وہ ہم ہی میں سے ہیں وہ ہماری طینت سے خلق کئے گئے ہیں جس نے ان سے محبت کی وہ بھی ہم میں سے ہے اور جس نے ان سے دشمنی کی اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہمارے شیعہ نورِ خدا سے دیکھتے ہیں اور اسکی رحمت میں چلتے پھرتے ہیں اور اس کی کرامت سے سرفراز ہوتے ہیں اگر ہمارے شیعوں میں سے کسی کوکوئی مرض لاحق ہوتا ہے تو اس کے مرض سے ہم بھی متأثر ہوتے ہیں ۔

اور اگران میں سے کوئی غمگین ہوتا ہے تو اس کے غم سے ہمیں بھی رنج ہوتا ہے اور اگر ان میں سے کوئی خوش ہوتا ہے تو اس کی خوشی سے ہم بھی خوش ہوتے ہیں اور ہمارا کوئی شیعہ ہماری نظروں سے غائب نہیں ہے خواہ وہ مشرق و مغرب میں کہیں بھی ہو اوراس کے اوپر کچھ قرض ہو تو ہمارے ذمہ ہے اور اگر اس نے مال چھوڑا ہو تو وہ اس کے وارث کا ہے ۔

ہمارے شیعہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں، زکواۃ دیتے ہیں، خانہ خدا کا حج کرتے ہیں، ماہ رمضان کے روزے رکھتے ہیں،اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے بیزار رہتے ہیں یہی لوگ صاحبان ایمان و تقویٰ اور یہی اہل زہد و ورع ہیں،جس نے ان کی بات کو رد کر دیا اس نے خدا کے حکم کو رد کر دیا اور جس نے ان پر طعن کیااس نے خدا پر طعن کیا کیونکہ یہی خدا کے حقیقی بندے ہیں،یہی اس کے سچے دوست ہیں،خدا کی قسم اگر ان میں سے کوئی ربیعہ و مضر کے قبیلے کے برابر لوگوں کی شفاعت کرے گا تو خدا اس کی اس عظمت کی بنا پر جواس کی نظر میں ہے ان کے بارے میں اس کی شفاعت کو قبول کرے گا[۲]۔

---

[۱] بحار الانوار: ۶۸ ص ۱۶۸

[۲] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۶۸، صفات الشیعہ ۱۶۳

اہل بیت کے شیعوں پر اور شیعوں کے اہل بیتؑ پر حقوق صرف اہل بیت ہی اپنے شیعوں سے اور ان کے دوستوں سے محبت اور ان کے دشمنوں سے نفرت وبیزاری نہیں کرتے ہیں بلکہ جس طرح شیعوں پر اہل بیت کے حقوق ہیں کہ وہ خدا کی طرف ان کی ہدایت و راہنمائی کریں اور ان کو حدود خدا کی تعلیم دیں اور انہیں عبودیت کے آداب سکھائیں اسی طرح ان کے شیعوں پر بھی لازم ہے کہ ان سے سیکھیں۔ابو قتادہ نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ہمارے شیعوں کے حقوق ہم پر زیادہ واجب ہیں بہ نسبت ہمارے حقوق کے جوان کے ذمہ ہیں۔ عرض کیا گیا کہ فرزندِ رسولؐ یہ کیسے؟ فرمایا: اس لئے کہ ان پر ہماری وجہ سے مصیبت پڑی ہے مگر ان کی وجہ سے ہم پر مصیبت نہیں پڑتی۔

اہل بیتؑ سے محبت اور نسبت کے شرائط

اہل بیتؑ سے محبت و نسبت کے عام شرائط اور ان کی محبت کی قیمت کے بارے میں کہ جس کو ہم نے بیان کیا ہے کچھ عام شرطیں ہیں اہل بیت سے یہ نسبت و محبت اسی وقت ثمر بخش ہوتی ہے جس وقت یہ شرائط پورے ہوتے ہیں،ان شرائط میں سے ایک شرط تفقہ، تعبد، تقویٰ، ورع، مومنوں اور مسلمانوں سے میل ملاپ، نظم و ضبط،لوگوں کے ساتھ نیک برتاؤ امانتداری اور سچ گوئی بھی ہے۔ان شرائط کے بغیر محبت حقیقی نہیں ہو سکتی، بیشک حقیقی محبت اہل بیتؑ کے سچے اتباع ہی میں ہے۔یہ نکات اہل بیت کی ان تعلیمات سے ماخوذ ہیں جو انہوں نے اپنے شیعوں اور اپنی پیروی کرنے والوں کو دی تھیں ملاحظہ فرمائیں:

''کونوا لنا زیناً ولا تکونوا علینا شیناً''ہمارے لئے باعث زینت بنو ننگ و عار کا سبب نہ بنو۔ائمہ اہل بیتؑ اپنے شیعوں سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ ان کے لئے زینت کا باعث بنیں ننگ و عار کا سبب نہ بنیں کیونکہ جب وہ اسلامی اخلاق سے آراستہ ہوں گے اور اسلامی ادب سے سنور جائیں گے تو لوگ اہل بیتؑ کی مدح کریں گے اور یہ کہیں گے انہوں نے اپنے شیعوں کی کتنی اچھی تربیت کی ہے اور جب لوگ شیعوں کے لین دین،بد اخلاقی ان کے غلط برتاؤ، حدودِ خدا اور اس کے حلال و حرام سے ان کی لاپروائی کو دیکھیں گے تو

،ان کی وجہ سے وہ اہل بیتؑ پر بھی نکتہ چینی کریں گے ۔ سلیمان بن مہران سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا : میں جعفر بن محمد صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ کے پاس کچھ شیعہ بھی موجود تھے اور آپؑ فرما رہے تھے: اے شیعو! ہمارے لئے باعثِ زینت بنو اور ننگ و رسوائی کا سبب نہ بنو لوگوں سے نیک بات کہو، اپنی زبان پر قابو رکھو اسے بری بات اور فضول کہنے سے باز رکھو[۱] ۔امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا : اے شیعو! تم کو ہم سے نسبت دی جاتی ہے پس تم ہمارے لئے باعثِ زینت بنو، ہمارے لئے ننگ و عار کا سبب نہ بنو[۲] ۔آپ ہی کا ارشاد ہے : خدا رحم کرے اس شخص پر جس نے لوگوں کے درمیان ہمیں محبوب بنا یااوران کے درمیان ہمیں مبغوض و منفور نہیں بنایا ۔ خدا کی قسم اگر وہ ہمارے کلام کے محاسن دیکھ لیتے تو اس کے ذریعہ انہیں اور عزت ملتی اور کوئی شخص کسی بھی چیز کے ذریعہ ان پر فائق نہ ہوتا[۳] ۔

آپ ہی کا قول ہے : خدا رحم کرے اس شخص پر جس نے لوگوں کے دلوں میں ہماری محبت پیدا کی اور ان میں ہماری طرف سے بغض نہیں پیدا کیا خدا کی قسم اگر وہ ہمارے کلام کے محاسن دیکھ لیتے تو یہ ان کے لئے زیادہ باعث عزت ہوتا اور پھر کوئی بھی شخص کسی بھی چیز کے ذریعہ ان پر فوقیت حاصل نہ کر پاتا لیکن اگر ان میں سے کوئی شخص ہماری کوئی بات سن لیتا تو اس میں دس کا اور اضافہ ہوتا[۴] ۔آپؑ ہی سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا : اے عبد الاعلیٰ! انہیں (یعنی شیعوں کو) ہمار اسلام کہہ دینا خد ان پر رحم کرے اور یہ کہہ دینا کہ امام نے یہ کہا ہے : خدا رحم کرے اس بندے پر کہ جس نے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف بھی مائل کیا اور ہماری طرف بھی اور وہ ان کے سامنے ایسی ہی چیز کو بیان کرتا ہے جس کو اچھا سمجھتے ہیں اور ان کے سامنے ایسی چیز کا اظہار نہیں کرتا جس کو برا سمجھتے ہیں[۵] ۔

[۱] امالی طوسی : ج۲ ص ۵۵ ، بحار الانوار : ج ۶۸ ص ۱۵۱
[۲] مشکاۃ الانوار: ص ۶۷
[۳] مشکاۃ الانوار: ص ۱۸۰
[۴] روضۃ الکافی: ص ۲۹۳
[۵] بحار الانوار: ج۲ ص ۷۷

امام جعفر صادقؑ ہی فرماتے ہیں: اے شیعو! ہمارے لئے باعث زینت بنو، سببِ ذلت و رسوائی نہ بنو، لوگوں سے اچھی اور نیک بات کہو اور اپنی زبانوں کی حفاظت کرو اور اسے فضول و بری بات کہنے سے باز رکھو[1]۔ اہل بیتؑ خدا سے شفاعت کریں گے اور اس سے بے نیاز نہیں ہیں بیشک اہل بیتؑ خدا کے ذریعہ بے نیاز ہیں، خدا سے بے نیاز نہیں ہیں وہ خدا کے اذن سے خدا سے شفاعت کریں گے، اس کی اجازت کے بغیر وہ کسی کی شفاعت نہیں کرے گے۔ پس جو شخص اہل بیتؑ کی محبت و ولایت اور ان سے نسبت کے ذریعہ خدا کی عبادت و طاعت اور تقویٰ و ورع سے بے نیاز ہونا چاہتا ہے وہ مسلکِ اہل بیتؑ سے ہٹ گیا ہے اس نے غیروں کا مذہب اختیار کر لیا ہے اور اس کو اہل بیتؑ کی محبت و مودت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ عمرو بن سعید بن بلال سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت ہماری ایک جماعت تھی۔

آپؑ نے فرمایا: تم معتدل بن جاؤ یعنی میانہ روی اختیار کر لو کہ اس سے آگے بڑھ جانے والا تمہاری طرف پلٹ آئیگا اور پیچھے رہ جانے والا تم سے ملحق ہوجائیگا اور اے آل محمد کے شیعو! یہ جان لو کہ ہمارے اور خدا کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے اور نہ ہی خدا کے اوپر ہماری کوئی حجت ہے اور طاعت کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعہ خدا کا تقرب حاصل نہیں کیا جا سکتا پھر جو خدا کا مطیع و فرمانبردار ہوگا اس کو ہماری ولایت سے فائدہ پہنچے گا لیکن جو عاصی و نافرمان ہوگا اس کو ہماری ولایت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اس کے بعد ہماری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا: دھوکا نہ دو اور افتراء پردازی نہ کرو[2]۔ اب جو بھی اہل بیت کو چاہتا ہے اور ان کے مکتب سے منسوب ہونا چاہتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے اسے یہ جان لینا چاہئے کہ خدا کے اذن کے بغیر اہل بیت کسی کو کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں، وہ بندے ہیں خدا کی مخلوق ہیں۔ خدا کے مقرب ہیں۔ پس جو بھی اہل بیتؑ کو چاہتا ہے اور ان کی محبت کے ذریعہ خدا کا تقریب حاصل کرنا چاہتا ہے اور خدا کی بارگاہ میں شفاعت کا طلبگار ہے اسے خدا سے ڈرنا چاہئے، اور صالحین کے راستہ پر چلنا چاہئے۔

[1] بحار الانوار: ج ۷۱ ص ۳۱۰
[2] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۷۸

حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: خدا سے ڈرو! تمہیں کوئی دھوکا نہ دے اور کوئی شخص تمہیں نہ جھٹلائے،کیونکہ میرا دین وہی دین ہے جو آدم کا دین تھا جس کو خدا نے پسند کیاہے اور میں بندہ و مخلوق ہوں خدا کی مشیت کے علاوہ میں اپنے نفع و ضرر کا بھی مالک نہیں ہوں اور میں وہی چاہتا ہوں جو خدا چاہتا ہے[1]۔تقویٰ اور ورع اہل بیت نے اپنے شیعوں کو جو وصیتیں کی ہیں ان میں سب سے زیادہ تقوے اور ورع کی وصیتیں ہیں،ان کے شیعہ وہی لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ جس شیعہ کا تقویٰ اور ورع زیادہ ہوگا اہل بیت کے نزدیک اس کی قدر و منزلت بھی زیادہ ہوگی،کیونکہ تشیع کا جوہر،اتباع،تاسی اور اقتدا ہے اور جو شخص اہل بیت کی اقتدا کرنا چاہتا ہے ان کی اقتداء کے لئے طاعتِ خدا ،تقویٰ اور ورع کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ملے گا۔

ابو الصباح کنانی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں، میں نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا: ہم کوکوفہ میں آپ کی وجہ سے ذلیل سمجھا جاتا ہے لوگ ہمیں جعفری کہتے ہیں، یہ سن کر امام جعفر صادقؑ غضب ناک ہوئے اور فرمایا: تم میں سے جعفر کے اصحاب بہت کم ہیں، جعفر کے اصحاب تو وہی ہیں کہ جن کی پاکدامنی زیادہ اور جن کا عمل اپنے خالق کے لئے ہو[2]ے ۔ عمرو بن یحییٰ بن بسام سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا کہ فرماتے ہیں: لوگوں کے درمیان آل محمدؐ اوران کے شیعہ ورع و پاک دامنی کے زیادہ حقدار ہیں[3]۔امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ہمارے شیعہ ورع و جانفشانی کے اہل ہیں، وہ وقار و امانتداری کے اہل ہیں،وہ زہد و عبادت کے اہل ہیں، شب و روز میں اکیاون رکعت نماز پڑھتے ہیں،راتوں کو عبادت کرتے ہیں، دن میں روزہ رکھتے ہیں، خانۂ خدا کا حج کرتے ہیں اور ہر حرام چیز سے پرہیز کرتے ہیں[4]۔

[1] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۸۹ ، محاسن برقی سے منقول ہے ۔
[2] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۶۶
[3] بشارت المصطفیٰ ص ۱۷۱
[4] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۶۸

آپؑ ہی کا ارشاد ہے : خدا کی قسم علیؑ کا شیعہ تو بس وہی ہے جس نے اپنے شکم و شرمگاہ کو پاک رکھا ،اپنے خالق کے لئے عمل کیا ،اس کے ثواب کا امیدوار رہا اور اس کے عذاب سے ڈرتا رہا[۱]۔آپؑ ہی سے مروی ہے : اے آل محمدؐ کے شیعو! سن لو کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو غیظ و غضب کے وقت اپنے نفس پر قابو نہ رکھے اور اپنے ہمنشین کے لئے اچھا ہمنشین ثابت نہ ہو اور جو اس کی ہمراہی اختیار کرے یہ اس کے لئے اچھا ساتھی ثابت نہ ہو اور جو اس سے صلح کرے تو یہ اس سے بہترین صلح کرنے والا ثابت نہ ہو[۲]۔امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے :وہ ہمارا شیعہ نہیں ہے جو کسی شہر میں ہو اور اس شہر میں ہزاروں لوگ ہوں اور اس شہر میں کوئی اس سے زیادہ پاک دامن ہو[۳]۔ کلیب بن معاویہ اسدی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا :میں نے امام صادقؑ سے سنا کہ فرماتے ہیں: خدا کی قسم تم خدااور فرشتوں کے دین پر ہو پس ورع و کوشش اور جانفشانی کے ذریعہ میری مدد کرو[۴]۔

کلیب اسدی ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا : میں نے امام صادق سے سنا کہ فرماتے ہیں: خدا کی قسم تم لوگ خدا اور اس کے فرشتوں کے دین پر ہو پس اس سلسلہ میں تم ورع و کوشش کے ذریعہ میری مدد کرو، تمہارے لئے نمازِ شب اور عبادت ضروری ہے اور تمہارے لئے ورع لازم ہے[۵] ۔صاحبِ بصائر الدرجات نے مرازم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں مدینہ گیا تھا، جس گھر میں میرا قیام تھا اس میں میں نے ایک کنیز کو دیکھا وہ مجھے بہت پسند آئی لیکن اس نے میرے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا ۔ راوی کہتا ہے کہ میں رات کا ایک تہائی حصہ گزرنے کے بعد واپس آیا، دروازہ کھٹکھٹایا تو اسی کنیز نے دروازہ کھولا، میں نے اپنا ہاتھ اس کے سینہ پر رکھ دیا،اس نے بھی کچھ حرکت کی یہاں تک کہ میں گھر میں داخل ہوگیا،اگلے دن میں ابوالحسن کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا : اے مرازم وہ ہمارا شیعہ نہیں ہے جس نے تنہائی میں ورع سے کام نہیں لیا[۶]۔

---

[۱] گذشتہ حوالہ
[۲] بحار الانوار: ج ۷۸ ص ۲۶۶۔
[۳] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۶۴ ۔
[۴] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۶۴۔
[۵] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۷۸، بشارۃ المصطفیٰ ص ۵۵ ص ۱۷۴
[۶] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۵۳، بصار الدرجات ص ۲۴۷

ایک شخص نے رسولؐ کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ فلاں شخص اپنے ہمسایہ کی ناموس کو دیکھتا ہے اگر اسے مل جائے تو وہ پاک دامنی کا خیال نہیں کرے گا، یہ سن کر رسول کو غیظ آگیا، تو دوسرے آدمی نے کہا: وہ آپؐ سے اور علیؑ سے محبت رکھتا ہے اور آپ دونوں کے دشمنوں سے نفرت کرتا ہے،وہ آپ کا شیعہ ہے، تو رسولؐ نے فرمایا: یہ نہ کہو کہ وہ ہمارا شیعہ ہے وہ جھوٹ کہتا ہے ہمارا شیعہ تو بس وہی ہے جو ہمارے اعمال میں ہمارا اتباع کرتا ہے اور جس شخص کا تم نے ذکر کیا ہے اس نے ہمارے اعمال میں ہمارا اتباع نہیں کیا ہے[۱]۔ایک شخص نے امام حسن سے عرض کی: میں آپ کا شیعہ ہوں، امام حسنؑ نے فرمایا: اے خدا کے بندے اگرتم ہمارے اوامر میں ہمارے تابع ہواور جن چیزوں سے ہم نے روکا ہے ان میں ہمارے مطیع ہو تو تم سچے ہو اور اگر تمہارا عمل اس کے بر خلاف ہے توتمہارے گناہوں کے ساتھ اس دعوے سے تمہارے مرتبہ میں اضافہ نہ ہوگا تم اس کے اہل نہیں ہواور یہ نہ کہوکہ یںآپ کا شیعہ ہوں ہاں یہ کہو:

میں آپ کے دوستوں میں سے ہوں اور آپ کا محب ہوں اور آپ کے دشمنوں کا دشمن ہوں[۲]۔ایک شخص نے امام حسینؑ سے عرض کی: فرزندِ رسولؐ میں آپ کا شیعہ ہوں،آپ نے فرمایا: ہمارے شیعہ وہ ہیں جن کے دل ہر قسم کے مکرو فریب اور خیانت وکینہ سے محفوظ ہیں[۳]۔ابو القاسم بن قولویہ کی کتاب سے اور انہوں نے محمد بن عمر بن حنظلہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: امام صادقؑ نے فرمایا: جو اپنی زبان سے خود کو ہمارا شیعہ کہتا ہے اور ہمارے اعمال و احکام میں مخالفت کرتا ہے وہ ہماراشیعہ نہیں ہے، ہمارے شیعہ وہ ہیں جو اپنی زبان اور اپنے دل سے ہماری موافقت کرتے ہیں اور ہمارے احکام میں ہمارا اتباع کرتے ہیں اور ہمارے اعمال کے مطابق عمل کرتے ہیں ۔ یہی ہمارے شیعہ ہیں۔ [۴]تعبد و بندگی ابو المقدام سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: مجھ سے امام محمد باقرؑ نے فرمایا: اے ابو المقدام علیؑ کے شیعہ تو بس وہی ہیں بھوک کے سبب جن کے چہرے مرجھائے ہوئے، بدن دبلے پتلے اور نحیف

[۱] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۵۵۔
[۲] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۵۶ ۔
[۳] گذشتہ حوالہ ۔
[۴] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۶۴ج ۱۳ ۔

ولاغر، ہونٹ سوکھے ہوئے، شکم پشت سے چپکے ہوئے،رنگ اڑے ہوئے اور چہرے زرد ہوتے ہیں، رات ہوتی ہے تو وہ زمین ہی کو اپنا فرش و بستر بنا لیتے ہیں،اپنی پیشانیوں کو زمین پر رکھتے ہیں،ان کے سجدے زیادہ، اشک فشانی زیادہ،ان کی دعا زیادہ اور ان کا رونا زیادہ ہوتاہے ، جب لوگ خوش ہوتے ہیں تو یہ محزون ہوتے ہیں[1]۔ روایت ہے کہ ایک رات امیر المومنینؑ مسجد سے نکلے ، رات چاندنی تھی آپ قبرستان میں پہنچے،آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک جماعت بھی آپ کے پاس پہنچ گئی آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم کون ہو؟انہوں نے کہا :اے امیر المونینؑ،ہم آپ کے شیعہ ہیں آپ نے ان کی پیشانیوں کو غور سے دیکھا اور فرمایا:مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تمہارے اندر شیعوں کی کوئی علامت نہیں پاتا ہوں؟ انہوں نے کہا : اے امیر المومنینؑ شیعوں کی علامت کیا ہے ؟ فرمایا: بیدار رہنے کی وجہ سے ان کے رنگ زرد، رونے کے سبب ان کی آنکھیں کمزور، مسلسل کھڑے رہنے کے باعث کمر ٹیڑھی اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ان کے شکم پشت سے چپکے ہوئے اور دعا کے سبب ہونٹ مرجھائے ہوتے ہیں اور ان پر خاشعین کی گرد پڑی ہوتی ہے۔[2]

ابو نصیر سے اور انہوں نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ہمارے شیعہ پاک دامن، زحمت کش، وفادار و امین، عابد و زاہد، شب و روز میں اکیاون رکعت نماز پڑھنے والے، راتوں میں عبادت میں مشغول رہنے والے، دنوں میں روزہ رکھنے والے اپنے اموال کی زکواۃ دینے والے خانہ کعبہ کا حج کرنے والے اور ہر حرام چیز سے پرہیز کرنے والے ہیں[3]۔شیخ صدوقؒ نے ''صفات الشیعہ''میں اپنی اسناد سے محمد بن صالح سے انہوں نے ابوالعباس دینوری سے انہوں نے محمد بن حنفیہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: جب علیؑ اہل جمل سے جنگ کے بعد بصرہ تشریف لائے تو احنف بن قیس نے آپ کی اور آپ کے اصحاب کی دعوت کی کھاناتیارکیااوراحنف نے کسی کو آپ کو اورآپ کے اصحاب کوبلانے کے لئے بھیجاآپ تشریف لائے اورفرمایا:اے احنف میرے اصحاب سے کہدو اندر آجاءں، تو آپ کے پاس خشک مشکیزہ کی طرح خاشع و انکسارپرور ایک گروہ آیا: احنف بن

---

[1] خصال : ج ۲ ص ۵۸ ، بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۴۹ و ۱۵۰

[2] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۵۰ و ۱۵۱، امالی طوسی : ج ۱ ص ۲۱۹۔

[3] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۶۷ ، صفات الشیعہ ۱۶۲ ۔ ۱۶۴

قیس نے عرض کی: اے امیر المومنین۔! یہ ان کا کیا حال ہے؟ کیا کم کھانے کی وجہ سے ایسا ہوا ہے؟یا جنگ کے خوف کی وجہ سے ان کی یہ کیفیت ہے ؟!آپ نے فرمایا : نہیں!اے احنف بیشک خدا وند عالم کچھ لوگوں کو دوست رکھتا ہے کہ وہ اس کیلئے اس دنیا میں عبادت کرتے رہیں!کیونکہ ان کی عبادت!ان لوگوں کی عبادت کی طرح ہے کہ جن پر قیامت کے قریب ہونے کے علم کی وجہ سے ہیجانی کیفیت طاری ہے اور قبل اس کے کہ وہ قیامت کو دیکھیں انہوں نے اسکے لئے مشقت اٹھا کر خود کو تیار کیا ہے اور جب وہ اس صبح کو یاد کرتے ہیں کہ جس میں خدا کی بارگاہ میں اعمال پیش کئے جائیں گئے تو وہ گمان کرتے ہیں کہ جہنم کی آگ سے ایک بڑا شعلہ نکلے گا اور تمام مخلوق کو ان کے پروردگار کے سامنے اکٹھا کرے گا اور لوگوں کے سامنے ان کے نامہ اعمال کو پیش کیا جائے گا اور ان کے گناہوں کی برائیاں آشکار ہو جائیں گئی یہ سب سوچ کر قریب ہے کہ ان کی جانیں پگھل کر پانی پانی ہو جائیں اور انکے قلوب خوف کے پروں سے پرواز کرنے لگیں اور جب خود کو بارگاہ الٰہی میں تنہا محسوس کرتے ہیں تو دیگ کے کھولتے ہوئے پانی کی طرح کھولنے لگتے ہیں اور انکی عقلیں ان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔

وہ رات کی تاریکی میں مصیبت زدہ لوگوں کی طرح آواز بلند کرتے ہیں اور اپنے نفس کے کرتوت پر غمگین رہتے ہیں لہذا ان کے بدن لاغر، ان کے دل مغموم و محزون، ان کے چہرے کرخت، ہونٹ مرجھائے ہوئے اور شکم پتلے ہیں، انہیں دیکھو گے تو ایسا لگے گا جیسے وہ نشہ میں ہوں، رات کی تنہائی میں بیدار رہتے ہیں، انہوں نے اپنے ظاہری و باطنی اعمال کو خدا کے لئے خالص کر لیا ہے، ان کے دل اس کے خوف سے بے پروا نہیں ہیں اگر تم انہیں رات میں اس وقت دیکھو کہ جب آنکھیں سو رہی ہوں، آوازیں خاموش ہو گئی ہوں اور گردش رک گئی ہو تو اس وقت قیامت کا خوف انہیں سونے سے باز رکھتا ہے، خدا وند عالم کا ارشاد ہے : کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر رات میں آ جائے جب سو رہے ہوں[1]۔

---

[1] سورہ اعراف: ۷ ۔

اور وہ گھبرا کر اٹھتے ہیں اور باآواز بلند روتے ہوئے نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں پھر کبھی گریہ کرنے لگتے ہیں اور کبھی تسبیح پڑھتے ہیں اور کبھی اپنے محراب عبادت میں چیخ مارکر روتے ہیں،وہ تاریک رات کاانتخاب کرتے ہیں تاکہ صف باندھ کر خاموشی سے روئیں،اے احنف اگر تم ان کو راتوں میں دیکھو کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہیں توتم ان کو اس حالت میں پاؤگے کہ کمریں جھکی ہوئی ہیں اور اپنی نمازوں میں قرآن کے پاروں کی تلاوت کررہے ہیں، ان کے رونے اور ہائے ویلا کرنے میں شدت پیدا ہوگئی ہے جب وہ سانس لیتے ہیں تم یہ گمان کرتے ہو کہ ان کے گلے میں آگ بھری ہوئی ہے اور جب وہ گریہ کرتے ہیں توتم یہ خیال کرتے ہو کہ ان کی گردنوں کو زنجیروں میں جکڑدیا گیا ہے۔اگر تم انہیں دن میں دیکھوگے توتم انہیں ایسا پاؤگے کہ وہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور لوگوں سے اچھی بات کہتے ہیں: اور ''جب ان سے جاہل مخاطب ہوتے ہیں تووہ کہتے ہیں تم سلامت رہو''[1]،اور ''جب وہ کسی لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو احتیاط و بزرگی سے گزر جاتے ہیں''[2]۔

اپنے قدموں کو انہوں نے تہمت والی باتوں کی طرف بڑھنے سے روک رکھا ہے اور اپنی زبانوں کو لوگوں کی عزت وآبرو پر حملہ کرنے سے گنگ بنا رکھاہے اور انہوں نے اپنے کانوں کو دوسروں کی فضول باتوں کو سننے سے روک رکھا ہے ۔اور اپنی آنکھوں میں گناہوں سے بچنے کا سرمہ لگا رکھا ہے اور انہوں نے دار السلام میں داخل ہونے کا قصد کررکھاہے اوریہ دارالسلام وہ جو اس میں داخل ہوگا وہ شک اور رنج و محن سے امان میں رہے گا[3]۔ امام صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: امام زین العابدینؑ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے کہ کچھ لوگوں نے دروازہ پر دستک دی۔ آپ نے ایک کنیز سے فرمایا: دیکھو دروازہ پر کون ہے؟انہوں نے کہا: آپ کے شیعہ ہیں، یہ سن کر آپ درواز کی طرف اتنی تیزی سے گئے قریب تھا کہ آپ گر پڑیں،لیکن جب دروازہ کھول کر ان لوگوں کو دیکھا تو واپس لوٹ گئے اور فرمایا جھوٹ بولتے ہیں،ان کے چہروں پرشیعہ کی علامت کہاں ہے؟ عبادت کا اثر کہاں ہے؟پیشانی پر سجدہ کا نشان کہاں ہے؟ ہمارے شیعہ تو بس اپنی عبادتوں اوراپنی پریشاں حالی سے پہچانے جاتے ہیں، کثرت عبادت

[1] الفرقان،۶۳۔
[2] الفرقان:۷۲
[3] بحار الانوار : ج ۶۸ ص ۱۷۰ و ۱۷۱ منقول از صفات الشیعہ ۱۸۳

سے ان کی ناک زخمی ہو گئی ہے ان کی پیشانی اور اعضاء سجدہ پر گٹھے پڑ گئے ہیں، ان کا پیٹ پتلا ہو گیا ہے، ہونٹ مرجھا گئے ہیں، عبادت کی وجہ سے ان کے چہرے مرجھا گئے ہیں، راتوں کی بیداری نے ان کی جوانی کو متغیر کر دیا ہے اور دن کی گرمی نے ان کے بدن کو پگھلا دیا ہے، یہ وہ ہیں کہ جب لوگ خاموش ہوتے ہیں تو یہ تسبیح کرتے ہیں اور جب لوگ سوتے ہیں تو یہ نماز پڑھتے ہیں اور جب لوگ خوش ہوتے ہیں تو یہ محزون ہوتے ہیں[1]۔ نوف بن عبد اللہ بکائی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: مجھ سے علیؑ نے فرمایا: اے نوف ہم پاک طینت سے خلق کئے گئے ہیں اور ہمارے شیعہ ہماری ہی طینت سے پیدا ہوئے ہیں اور روز قیامت وہ ہم ہی سے ملحق ہو جائیں گے۔ نوف نے کہا: اے امیر المومنینؑ مجھے اپنے شیعوں کے صفات بتایئے پس آپؑ اپنے شیعوں کو یاد کر کے روئے اور فرمایا: اے نوف خدا کی قسم ہمارے شیعہ حلیم و بردبار، خدا اور اس کے دین کی معرفت رکھنے والے، اس کے حکم پر عمل کرنے والے، اس کی محبت کی وجہ سے ہدایت یافتہ، عبادت کی وجہ سے نحیف و لاغر اور دنیا سے بے رغبتی کے سبب خرقہ پوش، نماز شب برپا رکھنے کے باعث ان کے چہروں کے رنگ زرد، رونے کے سبب آنکھیں چند ھیائی ہوئیں اور ذکر خدا کی کثرت سے ہونٹ سوکھے ہوئے۔ بھوکا رہنے کے باعث پیٹ کمر سے لگے ہوئے، ان کے چہروں سے ربانیت اور ان کی پیشانیوں سے رہبانیت آشکار ہے وہ ہر تاریکی کا چراغ ہیں، ہر اچھی جماعت کا پھول ہیں، ان کی برائیاں ناپید، ان کے دل محزون، ان کے نفس پاک، ان کی حاجتیں کم، ان کے نفس مشقت میں اور لوگ ان سے راحت میں ہیں وہ عقل کے جام اور نجیب و خالص، اگر وہ سامنے ہوتے ہیں تو پہچانے نہیں جاتے اور وہ لاپتا ہو جاتے ہیں تو کسی کو ان کی تلاش کی فکر نہیں ہوتی یہ ہیں میرے بہترین شیعہ اور معزز و محترم بھائی مجھے ان سے ملاقات کا بڑا اشتیاق ہے[2]۔

رات کے عابد دن کے شیر نوف ایک رات کا قصہ بیان کرتے ہیں وہ حضرت علیؑ کے ساتھ آپؑ کے گھر کی چھت پر سو رہے تھے، امامؑ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور ایک مشتاق کی طرح آسمان کے ستاروں کو دیکھا پھر فرمایا: اے نوف تم سو رہے ہو یا بیدار

---

[1] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۶۹ ح ۳۰

[2] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۷۷ ، امالی طوسی: ج ۲ ص ۱۸۸

ہو۔ ؟انہوں نے کہا: بیدار ہوں۔ فرمایا: اے نوف! کیا تم میرے شیعہ کو جانتے ہو؟ میرے شیعہ وہ ہیں کہ جن کے ہونٹ سوکھے ہوئے، شکم کمر سے لگے ہوئے، ربانیت اور رہبانیت ان کے چہروں سے آشکار ہے، وہ رات کے عابد اور دن کے شیر ہیں۔ جب رات چھا جاتی ہے تو وہ ایک چادر کو لنگی کی طرح باندھ لیتے ہیں اور دوسری کو اوڑھ لیتے ہیں۔ وہ صف بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں، اپنی پیشانیوں کو زمین پر رکھ دیتے ہیں، ان کی آنکھوں سے ان کے رخساروں پر آنسو بہتے ہیں اور وہ خدا سے اپنی نجات کی دعا کرتے ہیں اور دن میں وہ حلیم و بردبار، عالم و ابرار اور پرہیزگار ہیں[1]۔ مذکورہ حدیث میں رات کے راہب اور دن کے شیر بہترین تعبیر ہے جو ان کے رات دن کے حالات کو بیان کرتی ہے، وہ شب کی سلطنت کے بادشاہ ہیں، جب رات ہو جاتی ہے تو تم انہیں رکوع، سجود اور بارگاہِ خدا میں خشوع کرتے ہوئے دیکھو گے، خدا کی بارگاہ میں جہنم سے نجات کیلئے تضرع و زاری کرتے ہوئے پاؤ گے۔ اور جب دن نکل آتا ہے تو وہ میدانِ مقابلہ میں علماء اور بردبار و متقی ہوتے ہیں، محکم، ثابت قدم، صابر اور مقاومت کرنے والے ہیں۔ سمۃ العبید من الخشوع علیھم للہ، أن ضمتھم الأسحار فاذا ترجلت الضحی شھد لھم بیض القواضب أنّھم احرار

ترجمہ: جب رات ان کو اپنے دامن میں لے لیتی ہے تو ان کے اندر خدا کے بندوں کی علامت خشوع پیدا ہو جاتی ہے اور جب دن نکل آتا ہے تو تیز تلواروں کی چمک گواہی دیتی ہے کہ یہ آزاد ہیں۔ رات میں ذکر خدا اور دن میں تقوی انکی زندگی میں شب و روز کی روح کا شعار ہے۔ شب و روز میں اکیاون رکعت نماز پڑھتے ہیں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ہمارے شیعہ ورع و جانفشانی سے کام لینے والے ہیں وہ با وفا، امانتدار اور زاہد و عبادت گزار ہیں، شب و روز میں اکیاون رکعت نماز پڑھتے ہیں، دن میں روزہ رکھتے ہیں، اپنے اموال کی زکواۃ دیتے ہیں، خانہ خدا کا حج کرتے ہیں اور ہر حرام چیز سے پرہیز کرتے ہیں[2]۔

[1] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۹۱۔
[2] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۶۷

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: ہمارے شیعہ تو وہی ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ اپنی خاکساری، خشوع، امانت کی ادائیگی اور ذکرِ خدا کی کثرت سے پہچانے جاتے ہیں[1]۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں: ہمارے شیعوں کے پیٹ خالی، ہونٹ مر جھائے ہوئے اور وہ نحیف و لاغر ہوتے ہیں ،جب رات ہو تی ہے تو وہ آہ و زاری کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہیں[2]۔ ابو حمزہ ثمالی نے یحییٰ بن ام الطویل سے روایت کی ہے کہ انہوں نے خبر دی اور انہوں نے نوف بکائی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا :مجھے حضرت امیر المومنینؑ سے کوئی کام تھا، لہٰذا میں، جندب بن زہیر ربیع بن خیثم اور ان کے بھانجے ہمام بن عبادہ بن خیثم آپ کے پاس گئے، دیکھا کہ آپؑ مسجد کی طرف جا رہے ہیں۔

ہم اعتماد کے ساتھ آپؑ سے ملاقات کے لئے بڑھے۔ جب انہیں امیر المومنینؑ نظر آئے تو وہ کھڑے ہو کر آپ کی طرف دوڑے، آپ کی خدمت میں سلام بجالائے آپؑ نے ان کا جواب دیا پھر فرمایا : یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے بتایا : اے امیر المومنینؑ یہ آپ کے شیعہ ہیں، آپ نے ان کے لئے نیک بات کہی پھر فرمایا : اے لوگو! مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تم میں اپنے شیعوں کی کوئی علامت نہیں پاتا ہوں اور اہل بیت کے محبوں کی نشانی نہیں دیکھتا ہوں، اس سے ان لوگوں کو شرم آ گئی۔ نوف کہتے ہیں: جندب اور ربیع آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور دونوں نے کہا : اے امیر المومنین آپ کے شیعوں کی علامت اور ان کی صفت کیا ہے ؟ آپ نے تھوڑی دیر کے بعد ان دونوں کا جواب دیا ،فرمایا : تم دونوں خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور نیکی کرو کیونکہ خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور نیکیاں انجام دیتے ہیں۔

اس وقت ایک بڑے عبادت گزار، ہمام بن عبادہ نے کہا : میں آپ سے اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جس نے آپ اہل بیتؑ کو سر فراز کیا، آپ کو مخصوص قرار دیا۔ اور آپ کو بہت سی فضیلتوں سے نوازا، مجھے اپنے شیعوں کے صفات بتائیے، آپ نے فرمایا : قسم نہ دو میں تمہیں سارے صفات بتاؤں گا آپؑ ہمام کا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں داخل ہوئے اوردو رکعت نماز مختصر و مکمل طور پر

[1] تحف العقول: ص ۲۱۵
[2] بحار الانوار : ج۶۸ ص ۱۸۶۔

بجالائے پھر بیٹھ گئے اور ہماری طرف متوجہ ہوئے اس وقت بہت سے لوگ آپؑ کے چاروں طرف جمع ہو گئے تھے آپؑ نے خدا کی حمد و ثنا کی، محمدؐ پر درود بھیجا پھر فرمایا :امابعد : بیشک اللہ جلّ ثناؤہ و تقدست أسماؤہ نے ساری مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کے لئے عبادت کو لازمی قرار دیا اور طاعت کو فرض کیا اور ان کے درمیان ان کی معیشت و روزی کو تقسیم کیا اور ان کے لئے دنیا میں ان کے مناسب حال ایک منزل قرار دی ،جبکہ وہ ان سے بے نیاز تھا ،نہ کسی طاعت کرنے والے کی طاعت اس کو فائدہ پہنچاتی ہے اور نہ کسی نافرمان کی نافرمانی اس کو نقصان پہنچاتی ہے ،لیکن خدا وند عالم کو یہ علم تھا کہ یہ لوگ اس چیز میں کوتاہی کریں گے جس سے ان کے حالات کی اصلاح ہو سکتی ہے اور دنیاوآخرت میں ان کے مصائب کم ہو سکتے ہیں ۔

پس اس نے اپنے علم سے انہیں اپنے امر و نہی میں باندھ دیا، اختیار کے ساتھ انہیں حکم دیا اور تھوڑی سی تکلیف دی اور اس پر زیادہ ثواب دیا ۔ خدا نے اپنے عدل و حکمت کی بنیاد پر اپنی محبت اور رضا کی طرف تیزی سے بڑھنے والے اور اس میں سستی کرنے والے اور اس کی نعمت سے گناہ میں مدد لینے کے درمیان میں فرق قائم کیا چنانچہ خدا وند عالم کا قول ہے: (أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُم وَ مَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ[1]) کیا ان لوگوں نے کہ جنھوں نے گناہ کئے ہیں یہ گمان کیا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے کہ سب کی موت و حیات ایک جیسی ہو یہ ان لوگوں نے نہایت بدترین فیصلہ کیا ہے ۔

اس کے بعد امیر المومنینؑ نے ہمام بن عبادہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا :آگاہ ہو جاؤ !وہ شخص جس نے ان اہل بیت کے شیعوں کے بارے میں سوال کیا ہے ۔ اہل بیتؑ کہ جن کو خدا نے اپنی کتاب میں اپنے نبی کے ساتھ اس طرح پاک رکھنے کا اعلان کیا ہے جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے ،ان کے شیعہ، خدا کی معرفت رکھنے والے اس کے حکم پر عمل کرنے والے اوروہ فضائل و کمالات کے مالک ہیں اور ان کی گفتگو صحیح، ان کا لباس اوسط درجہ کا ہوتا ہے اور وہ خاکساری کے ساتھ چلتے ہیں، وہ خدا کی طاعت میں خود

[1] سورہ جاثیہ: ۲۱۔

کوہلاک کر لیتے ہیں اور اس کی عبادت کر کے اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں، خدا نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ ان سے آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں، اپنے کانوں کو انہوں نے علم دین سننے کے لئے وقف کر دیا ہے، مصائب و آلام میں ان کے نفس ایسے ہی رہتے ہیں جیسے آرام و سکون میں، وہ خدا کے فیصلہ پر راضی رہتے ہیں اگر خدا نے ان کی مدت حیات مقرر نہ کی ہوتی تو ثواب کے شوق میں اور عذاب کے خوف میں ان کی روحیں چشم زدن کے لئے بھی ان کے بدنوں میں نہ ٹھہرتیں۔ خالق ان کی نظر میں اس قدر عظیم ہے کہ دنیا کی ہر چیز ان کی نظر میں حقیر ہو گئی ہے، جنت ان کی آنکھوں کے سامنے ہے گویا وہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ جنت کی مسندوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہیں اور جہنم کو اس طرح دیکھ رہے ہیں کہ جیسے اس میں ان کو عذاب دیا جا رہا ہے، ان کے دل رنجیدہ اور (لوگ) ان کے شر سے امان میں ہیں، ان کے بدن لاغر اور ان کی خواہشیں بہت کم اور ان کے نفس پاک و پاکیزہ ہیں، اسلام میں ان کی مدد بہت عظیم ہے، انہوں نے دنیا میں چند دن تکلیف اٹھائی، یہ نفع بخش تجارت ہے جو ان کے خدا نے ان کے لئے میسر کرائی ہے، یہ ذہین ترین لوگ ہیں۔ دنیا نے انہیں بہت لبھایا لیکن وہ اسے خاطر میں نہیں لائے، دنیا نے انہیں طلب کیا مگر انہوں نے اسے عاجز کر دیا۔

راتوں میں وہ مصلائے عبادت پر کھڑے رہتے ہیں، ٹھہر ٹھہر کر قرآن کی آیتوں کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور اس سے اپنے نفسوں کو محزون رکھتے ہیں اور اسی سے اپنا علاج کرتے ہیں جب کسی ایسی آیت پر ان کی نگاہ پڑتی ہے جس میں جنت کی ترغیب دلائی گئی ہو تو اس کی طمع میں اُدھر جھک پڑتے ہیں اور اس کے اشتیاق میں ان کے دل بے تابانہ کھنچتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ [پر کیف]منظر ان کی نظروں کے سامنے ہے اور جب کسی ایسی آیت پر ان کی نظر پڑتی ہے کہ جس میں[دوزخ سے]ڈرایا گیا ہو تو اس کی جانب دل کے کانوں کو جھکا دیتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جہنم کے شعلوں کی آواز اور وہاں کی چیخ پکار ان کے کانوں میں پہنچ رہی ہے، وہ رکوع میں اپنی کمریں جھکائے اور سجدہ میں اپنی پیشانیوں، ہتھیلیوں اور گھٹنوں کو زمین پر رکھے ہوئے ہیں اور جبارِ عظیم کی تمجید کرتے ہیں اور پروردگار سے ایک ہی سوال کرتے ہیں کہ ان کی گردنوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دے یہ ہے ان کی رات۔ دن میں یہ بردبار،

علماء و دانشور، نیک کردار اور پرہیزگار ہیں جیسے انہیں خوف خدا نے تیروں کی طرح تراش دیا ہے، دیکھنے والا انہیں دیکھ کر بیمار سمجھتا ہے حالانکہ وہ بیمار نہیں ہیں، ان کی باتوں کو سن کر کہتا ہے کہ ان کی باتوں میں فتور ہے جب کہ ایسا نہیں ہے بلکہ انہیں ایک عظیم چیز نے مدہوش بنا رکھا ہے اس کا تسلط و بادشاہت ایک عظیم شئ پر ہے اس نے ان کے دلوں کو غافل اور ان کی عقلوں کو حیران کر رکھا ہے۔

جب اس سے فرصت ملتی ہے تو خدا کی بارگاہ میں نیک اعمال بجالانے کی طرف بڑھتے ہیں یہ قلیل عمل سے خوش نہیں ہوتے اور نہ اس کا زیادہ اجر چاہتے ہیں، ہمیشہ اپنے نفسوں کو متہم کرتے رہتے ہیں اور اپنے اعمال ہی سے خوف زدہ رہتے ہیں اور جب ان کی تعریف کی جاتی ہے تو اس سے ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں: میں اپنے نفس کو دوسروں سے زیادہ جانتا ہوں اور میرا پروردگار مجھے سب سے بہتر جانتا ہے ۔ اے اللہ! مجھ سے ان کی باتوں کا حساب نہ لینا اور مجھے ان کے گمان و خیال سے بہتر قرار دینا اور میرے ان گناہوں کو بخش دینا جن کو یہ نہیں جانتے بیشک تو غیب کا عالم اور عیوب کو چھپانے والا ہے۔ اور ان میں سے ایک کی علامت یہ ہے کہ تم دیکھو گے، وہ دین میں قوی ہے اور نرمی میں شدید احتیاط ہے یقین میں ایمان ہے، علم کے بارے میں حرص ہے، اپنی فقہ میں سمجھ دار ہے، حلم علم ہے، مالداری میں میانہ روی ہے، محتاجی میں خود داری ہے، سختی میں ثابت قدم و صابر ہے، عبادت میں خاشع ہے، عطا کرنے میں برحق ہے ۔

کمانے میں نرمی، حلال کی طلب، ہدایت میں نشاط، شہوت میں گناہ سے حفاظت اور استقامت میں نیک ہے ۔ جس چیز کو وہ نہیں جانتا وہ اسے دھوکا نہیں دے سکتی اور جس نیک کام کو انجام دے چکا ہے اس کو شمار میں نہیں لاتا، غلط کام میں اس کا نفس سست، بلکہ نیک کام بھی انجام دیتا ہے تو ڈرتے ہوئے۔ صبح میں وہ ذکرِ خدا کرتا ہے اور شام کے وقت توشکرِ خدا کی فکر ہوتی ہے، غفلت کی اونگھ سے ڈرتے ہوئے رات بسر کرتے ہیں اور ملنے والے فضل و رحمت کی خوشی میں صبح کرتے ہیں اگر ان کا نفس کسی ناگوار چیز کے لئے سختی بھی کرتا ہے تو اس کے مطالبہ کو پورا نہیں کرتے ہیں ان کی رغبت باقی رہنے والی اور ان کا پرہیز فنا ہونے والی

چیزوں میں ہے۔ اور عمل کو علم سے اور علم کو حلم سے متصل کیا گیا ہے ۔ اس کا نشاط دائمی اس کی سستی اس سے دور، اس کی امید قریب، اس کی لغزش کم ، اپنی اجل کا منتظر، اس کا دل خاشع، اپنے رب کو یاد کرنے والا، اس کا نفس قانع، اس کا جہل غائب ، اس کا دین محفوظ، اس کی شہوت بے جان، اپنے غصہ کو پینے والا، اس کی خلقت صاف ستھری، اس کا ہمسایہ اس سے محفوظ، اس کا کام آسان، اس کا تکبر معدوم ،اس کا صبر آشکار، اس کا ذکر بے شمار، وہ دکھاوے کے لئے کوئی نیک کام نہیں کرتا ہے اور نہ شرم کی وجہ سے کسی نیک کام کو ترک کرتا ہے؛ (لوگ) اس سے نیکی کی امید کرتے اور اس کے شر سے محفوظ رہتے ہیں اگر یہ غافلوں میں نظر آئیں تو بھی ذکر خدا کرنے والوں میں شمار ہوں گے اور اگر ذکر خدا کرنے والوں میں دیکھے جائیں تو غافلوں میں شمار نہیں ہوں گے، جو ان پر ظلم کرتا ہے یہ اسے معاف کر دیتے ہیں اور جو انہیں محروم رکھتا ہے یہ اسے عطا کرتے ہیں اور جس نے ان سے قطع رحمی کی یہ اس سے تعلقات رکھتے ہیں۔

ان کی نیکی قریب، ان کا قول سچا ہے، ان کا فعل اچھا، خیر ان کی طرف بڑھتا ہوا، شر ان سے ہٹتا ہوا، مکروہات ان سے غائب، زلزلوں میں باوقار، سختیوں میں صابر، آسانیوں میں شکر گزار، دشمنوں پر ظلم نہیں کرتے اور جو چیز ان کے خلاف ہوتی ہے اس کا انکار نہیں کرتے ہیں، گواہی طلب کئے جانے سے پہلے ہی حق کا اعتراف کر لیتے ہیں اور امانتوں کو ضائع نہیں کرتے ہیں ،ایک دوسرے کو برے القاب سے نہیں پکارتے ہیں، کسی پر زیادتی نہیں کرتے، ان پر حسد غالب نہیں آتا، ہمسایہ کو نقصان نہیں پہنچاتے، اور مصیبتوں میں کسی کو طعنہ نہیں دیتے، امانتوں کو ادا کرتے ہیں، طاعت پر عمل کرتے ہیں، نیکیوں کی طرف دوڑتے ہیں، برائیوں سے بچتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود بھی اس پر عمل کرتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے باز رہتے ہیں، وہ نادانی کی وجہ سے کوئی کام انجام نہیں دیتے ہیں اور عجز کی وجہ سے حق سے خارج نہیں ہوتے۔ اگر خاموش رہتے ہیں تو ان کی خاموشی انہیں عاجز نہیں کرتی ہے اور بولتے ہیں تو ان کی گویائی انہیں عاجز نہیں کرتی ہے اور اگر ہنستے ہیں تو آواز بلند نہیں ہوتی جو ان کے لئے مقدر کر دیا گیا ہے اسی پر قناعت کرتے ہیں ،نہ ان کو غصہ آتا ہے اور نہ خواہش نفس ان پر غلبہ کرتی ہے، ان پر بخل تسلط نہیں پاتا ہے ،وہ

لوگوں سے علم کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں اور صلح و سلامتی کے ساتھ ان سے جدا ہوتے ہیں، فائدہ رسانی کے لئے گفتگو کرتے ہیں، سمجھنے کے لئے سوال کرتے ہیں، ان کا نفس ان کی وجہ سے رنج و محن میں اور لوگ ان سے راحت و امن میں رہتے ہیں، اپنے نفس سے لوگوں کو آرام پہنچاتے ہیں اور آخرت کے لئے اسے تھکاتے ہیں۔ اگر کوئی ان پر زیادتی کرتا ہے تو وہ صبر کرتے ہیں تاکہ خدا اس سے انتقام لے، گذشتہ اہل خیر کی اقتداء کرتے ہیں پس وہ اپنے بعد والے کے لئے نمونہ ہیں۔

یہی لوگ خدا کے کارندے ہیں اور اس کے امر و طاعت کے حامل ہیں، یہی اس کی زمین اور اس کی مخلوق کے چراغ ہیں، یہی ہمارے شیعہ اور ہمارے محب ہیں، یہ ہم میں سے ہیں اور ہمارے ساتھ ہیں۔ مجھے ان سے ملنے کا کتنا اشتیاق ہے ۔ یہ سن کر ہمام بن عبادہ نے ایک چیخ ماری اور ان پر بیہوشی طاری ہو گئی، لوگوں نے انہیں حرکت دی تو معلوم ہوا کہ وہ دنیا سے جا چکے ہیں خدا ان پر رحم کرے۔ ربیع نے روتے ہوئے کہا: اے امیر المومنینؑ آپ کے وعظ نے میرے بھتیجے پر کتنی جلد اثر کیا ہے، میں چاہتا تھا کہ اس کی جگہ میں ہوتا۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: نصیحت اپنے اہل پر اسی طرح اثر کرتی ہے خدا کی قسم مجھے اسی کا خوف تھا اس وقت کسی نے کہا: اے امیر المومنینؑ اس نصیحت نے آپ پر کیوں نہ اثر کیا؟ آپ نے فرمایا: خدا تیرا برا کرے موت کا وقت معین ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا اوراس کا ایک سبب ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتی، خبردار اب ایسی بات نہ کہنا، اصل میں تیری زبان پر شیطان نے اپنا جادو پھونک دیا ہے[1]۔ آپس میں ملاقات و محبت ان شرطوں میں سے ایک دوسرے سے تعلق رکھنا اور ایک دوسرے پر مہربانی کرنا اور ایک دوسرے کا تعاون کرنا بھی ہے ۔ ایک دوسرے کا جتنا زیادہ تعاون کریں گے اورآپس میں تعلق بڑھائیں گے اتنا ہی خدا ان کو دوست رکھے گا اور ان کو ان کے دشمنوں سے بچائے گا، ان کی حفاظت کرے گا اور ان کی مدد کرے گا، ان کے ہاتھ پراوران کے ہاتھ کے ساتھ خدا کا ہاتھ ہے بشرطیکہ ان کے ہاتھ جمع ہو یعنی ان میں اتحاد ہو۔ سدیر صیرفی امام جعفر صادقؑ

---

[1] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۹۲ و ۱۹۵، سید رضی نے اس روایت کو نہج البلاغہ میں تھوڑے سے اختلاف سے نقل کیا ہے ۔

کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپؑ کے کچھ اصحاب بھی آپ کی خدمت میں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا: اے سدیر ہمارے شیعوں کی اس وقت تک رعایت، حفاظت، پردہ پوشی کی جائے گی جب تک وہ ایک دوسرے کے بارے میں حسن نظر اور خدا کے بارے میں حسن ظن رکھیں گے اور اپنے ائمہ کے بارے میں صحیح نیت رکھیں گے اور اپنے بھائیوں کے ساتھ نیکی کریں گے، اپنے کمزور افراد پر مہربانی کریں گے

اور محتاجوں کی مالی مدد کریں گے کیونکہ ہم ظلم کرنے کا حکم نہیں دیتے ہیں لیکن تمہیں ورع اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں اور تمہیں اپنے بھائیوں کی مالی مدد کرنے کا حکم دیتے ہیں، اس لئے کہ اولیاء خدا خلقت آدم سے آج تک کمزور ہیں[1]۔ محمد بن عجلان سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں امام جعفر صادقؑ کے ساتھ تھا کہ ایک شخص آیا اور سلام کیا آپؑ نے اس سے سوال کیا کہ تم نے اپنے بھائیوں کو کس حال میں چھوڑا؟ اس نے ان کی تعریف و توصیف کی، آپؑ نے فرمایا: ان کے مالدار اپنے ناداروں کی کتنی مدد کرتے ہیں؟ اس نے کہا: بہت کم پھر فرمایا: ان کے مالداروں کا ناداروں سے کیسا برتاؤ ہے؟ اس نے کہا: آپ ایسے اخلاق کا ذکر کر رہے ہیں جو ان لوگوں میں نہیں پایا جاتا جو ہمارے یہاں ہیں۔ فرمایا: تو وہ اپنے کو ہمارا شیعہ کیسے سمجھتے ہیں؟[2] امام حسن عسکریؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: علیؑ کے شیعہ وہی ہیں جو اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ راہِ خدا میں موت ان پر آپڑے گی یا وہ موت پر جا پڑیں گے، علیؑ کے شیعہ وہ ہیں جو اپنے بھائیوں کو خود پر مقدم کرتے ہیں خواہ ان کو اس کی ضرورت ہی ہو، یہی وہ ہیں جن کو خدا اس چیز میں ملوث نہیں دیکھتا جس سے اس نے ڈرایا ہے، اور یہ اس چیز کو ترک نہیں کرتے ہیں جس کا خدا نے حکم دیا ہے، علی کے شیعہ وہی ہیں جو اپنے مومن بھائیوں کے اکرام میں علیؑ کی اقتداء کرتے ہیں[3]۔ امام صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ایک دوسرے کے ساتھ صلہ رحمی کرواورایک دوسرے پر احسان کرو اور ایسے نیک بھائی بن جاؤ جیسے خدا نے تمہیں حکم دیا

---

[1] المحاسن: ۱۵۸ ، بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۵۳ و ص ۱۵۴۔
[2] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۶۸
[3] میزان الحکمۃ : ج ۵ ص ۲۳۱

ہے[1] ۔آپ ہی کا ارشاد ہے: خدا سے ڈرو نیک بھائی بن جاؤ، ایک دوسرے سے خدا کے لئے محبت کرو، ایک دوسرے سے ربط و ضبط رکھو، آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرو[2] ۔ علاء بن فضیل نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: امام محمد باقرؑ فرمایا کرتے تھے: اپنے دوستوں کی تعظیم کرو ایک دوسرے پر حملہ نہ کرو ،ایک دوسرے کو ضرر نہ پہنچاؤ، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو ،خبردار بخل نہ کرنا، خدا کے مخلص بندے بن جاؤ[3] ۔

ابو اسماعیل سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا : ہمارے یہاں شیعوں کی کثیر تعداد ہے ۔ آپؑ نے دریافت کیا: کیا مالدار نادار کا خیال رکھتا ہے؟ اس پر مہربانی کرتا ہے ؟ کیا نیکی کرنے والا گناہگار سے درگزر کرتا ہے اورکیا وہ لوگ ایک دوسرے کی مالی مدد کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا :نہیں ۔ آپؑ نے فرمایا: وہ شیعہ نہیں ہیں۔ شیعہ وہ ہے جو مذکورہ افعال کو انجام دیتا ہے[4] ۔ایک دوسرے پر مومنین کے حقوق ثقۃالاسلام کلینیؒ نے ابو المامون حارثی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا: ایک مومن کا دوسرے مومن پر کیا حق ہے ؟ فرمایا: مومن کا مومن پر یہ حق ہے کہ وہ اپنے دل میں اس کی محبت رکھتا ہو اور اپنے مال سے اس کی مدد کرتا ہو اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے اہل و عیال میں اس کا جانشین ہو، اس پر ظلم ہو تو اس کی مدد کرے ،اگر مسلمانوں میں کوئی چیز تقسیم ہو رہی ہو اور وہ موجود نہ ہو تو اس کے لئے اس کا حصہ لے اور مر جائے تو اس کی قبر پر جائے، اس پر ظلم نہ کرے اور اس کو دھوکا نہ دے، اس کے ساتھ خیانت نہ کرے اور اس کا ساتھ نہ چھوڑے، اس کی تکذیب نہ کرے اس کے سامنے اف بھی نہ کہے، اگر اف کہدیا تو ان کے درمیان ولایت کا رشتہ ختم ہو جائیگا اور اگر ایک نے دوسرے سے یہ کہہ دیا کہ تم میرے دشمن ہو تو ان میں سے ایک کافر ہوگیا اور اگر اس پر تہمت لگا دیتا ہے تو اس کے دل میں ایمان اس طرح گھل جاتا ہے جس طرح پانی میں نمک گھل جاتا ہے[5] ۔

[1] اصول کافی: ج ۲ ص ۱۷۵
[2] اصول کافی : ج ۲ ص ۱۲۰
[3] اصول کافی: ج۲ ص ۱۷۳
[4] بحار الانوار: ج ۷۴ ص ۲۵۴
[5] اصول کافی :ج۲ ص ۱۷۱ ، بحار الانوار: ج۷۴ ص ۲۴۸

کلینیؒ نے ہی ابان بن تغلب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا : میں امام جعفر صادقؑ کے ساتھ طواف کر رہا تھا کہ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک شخص میرے سامنے آیا وہ یہ چاہتا تھا کہ اس کو جو کام ہے اس کے لئے میں بھی اس کے ساتھ جاؤں، اس نے مجھے اشارہ کیا ،مجھے یہ بات پسند نہ آئی کہ میں امام کو چھوڑ کر اس کے پاس جاؤں، میں ایسے ہی طواف میں مشغول رہا، اس نے مجھے پھر اشارہ کیا تو آپؑ نے اسے دیکھ لیا ۔ فرمایا ؛ اے ابان کیا وہ تمہیں بلا رہا ہے ؟ میں نے عرض کیا : ہاں۔ فرمایا : وہ کون ہے ؟ میں نے عرض کیا : ہمارے اصحاب ہی میں

سے ایک شخص ہے آپؑ نے فرمایا : تو اس کے پاس جاؤ، میں نے عرض کیا : میں طواف کو قطع کر دوں؟ فرمایا : ہاں!میں نے عرض کیا خواہ طواف واجب ہی ہو، فرمایا : ہاں۔ راوی کہتا ہے کہ میں اس کے ساتھ چلا گیا ۔پھر میں امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا :مجھے یہ بتائیے کہ مومن کا مومن پر کیا حق ہے؟ فرمایا : اے ابان اس کو واپس نہ لوٹاؤ، میں نے عرض کیا :میں آپؑ پر قربان ٹھیک ہے ۔ فرمایا : اے ابان اسے واپس نہ لوٹاؤ، میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان ٹھیک ہے میں نے اسے کبھی واپس نہیں کیا ہے ۔ فرمایا : اے ابان اپنا نصف مال اسے دے دو ،راوی کہتا ہے کہ پھر امام نے میری طرف دیکھا اور میری حالت کو ملاحظہ کیا، پھر فرمایا : اے ابان کیا تمہیں نہیں معلوم اپنے اوپر دوسروں کو مقدم کرنے والوں کا خدا نے ذکر کیا ہے ؟ میں نے عرض کیا : میں آپ کا فدیہ قرار پاؤں معلوم ہے، فرمایا : اگر تم نے اس کو نصف مال دیدیا تو اس کو اپنے اوپر مقدم نہیں کیا اس کے لئے ایثار نہیں کیا بلکہ تم اور وہ دونوں برابر ہوگئے، ایثار تو اس صورت میں ہوگا جب تم اس کو باقی ماندہ نصف بھی دیدوگے[1]۔امام رضاؑ سے سوال کیا گیا کہ مومن کا مومن پر کیا حق ہے ؟ فرمایا : مومن کا مومن پر یہ حق ہے کہ اس کے دل میں اس کی محبت ہو، اپنے مال سے اس کی مدد کرتا ہو، اس پر ظلم ہو تو اس کی مدد کرتا ہو ،اگر مسلمانوں میں فئ تقسیم ہو رہی ہو اور وہ موجود نہ ہو تو اس کے لئے اس کا حصہ لے وہ مر جائے تو اس کی قبر پر جائے، اس پر ظلم نہ کرے، اس کو فریب نہ دے، اس کے ساتھ خیانت نہ کرے، اس کا ساتھ نہ

[1] اصول کافی: ج۲ ص ۱۷۱، بحار الانوار: ج ۷۴ ص ۲۴۹ ۔

چھوڑے ،اس کی غیبت نہ کرے،اس کی تکذیب نہ کرے اور اس کے سامنے اف تک نہ کہے اور اگر اف کہہ دیا تو ان دونوں کے درمیان سے ولایت و محبت ختم ہو جائے گی اور اس کے دل میں ایمان ایسے ہی گھل جائیگا جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔جو شخص کسی مومن کو کھانا کھلاتا ہے تو یہ غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے اور اگر کوئی کسی مومن کو پیاس میں پانی پلاتا ہے تو خدا اسے مہر بند جام سے سیراب کرے گا اور جو شخص مومن کو کپڑا پہناتا ہے اسے خدا جنت کے سندس و حریر کا لباس عطا کرے گا اور جو شخص خدا کے لئے کسی مومن کو قرض دیتا ہے اسے صدقہ میں شمار کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسے ادا کر دے اور جو مومن دنیا کے کرب و الم سے نجات دلاتا ہے خدا اسے آخرت کے کرب و الم سے نجات عطا کرے گا اور جو شخص مومن کی حاجت روائی کرے گا تو یہ اس کے روزہ اور مسجد الحرام میں اعتکاف کرنے سے بہتر ہے۔ مومن (مومن کے لئے) ایسا ہی ہے جیسے بدن کے لئے پنڈلی ہوتی ہے۔

بیشک امام محمد باقرؑ نے خانۂ خدا کعبہ کا رخ کیا اور کہا: ساری تعریف اس خدا کے لئے ہے کہ جس نے تجھے عظمت و بزرگی عطا کی اور تجھے لوگوں کے جمع ہونے کی اور امن کی جگہ قرار دیا ۔ خدا کی قسم مومن کی حرمت تجھ سے زیادہ ہے۔اہل جبل میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اورآپ کو سلام کیا، جب وہ جانے لگا تو اس نے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت و نصیحت فرما دیجئے۔ آپؑ نے فرمایا: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈروا! اپنے مومن بھائی کی مدد کرو اور اس کے لئے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور اگر وہ تم سے سوال کرے تو اسے پورا کرو اور اس کے لئے بازو بن جاؤ اگر وہ ستم ظریفی بھی کرے تو بھی اس سے جدا نہ ہونا یہاں تک کہ اس کے دل سے کینہ نکال دو۔ اگر وہ موجود نہ ہوتو اس کی عدم موجودگی میں اس کی حفاظت کرو اور موجود ہو تو اسے اپنے میں شامل کرو،اس کے بازو اور پشت کو مضبوط کرو اور اس کی عزت کرو،اس پر مہربانی کرو کیونکہ وہ تم سے اور تم اس سے ہو،اور تمہارا اپنے مومن بھائی کو کھانا کھلانا اور اسے خوش کرنا روزہ رکھنے سے افضل ہے اور اس کا عظیم اجر

ہے[1] ۔امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: مومن شکم سیر نہیں ہوسکتا جبکہ اس کا بھائی بھوکا ہو اور وہ سیراب نہیں ہو سکتا جبکہ اس کا بھائی پیاسا ہو، وہ کپڑا نہیں پہن سکتا جب کہ اس کا بھائی برہنہ ہو ،اگر تمہیں کوئی حاجت درپیش ہو تو اس سے سوال کرو اور اگر وہ تم سے سوال کرے تو اسے عطا کرو ،تم اس سے نہ اکتاؤ وہ تم سے نہ اکتا ئے ، تم اس کے پشت پناہ بن جاؤ کیونکہ وہ تمہارا پشت پناہ ہے ۔ اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کی عدم موجودگی میں تم اس کی حفاظت کرو اور اگر وہ موجود ہو تو اس سے ملاقات کرو اور اس کی عزت و اکرام کرو کیونکہ وہ تم سے اور تم اس سے ہو۔

اگر وہ تمہیں سر زنش بھی کرے تو بھی اس سے جدا نہ ہونا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس کا غصہ ختم ہو جائے اگر اسے کوئی فائدہ ہو تو تم خدا کا شکر ادا کرو اور اگر وہ کسی چیز میں مبتلا ہو جائے تو اس کی مدد کرو ،اگر اسے کسی چیز کی ضرورت و طلب ہو تو اس کی اعانت کرو کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے دینی بھائی یا دوست سے اف کہتا ہے تو ان کے درمیان سے محبت و اخوت کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے اور اگر ان میں سے کوئی دوسرے سے یہ کہتا ہے کہ تم میرے دشمن ہو تو ان میں سے ایک کافر ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں ایمان اس طرح گھل جاتا ہے جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے ۔ معلی بن خنیس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا: مومن کا مومن پر کیا حق ہے ؟ فرمایا: سات حق واجب ہیں: ان میں سے ہر ایک حق اس پر واجب ہے اگر وہ اس کی مخالفت کرے گا تو خدا کی ولایت سے نکل جائیگا اور اس کی طاعت کو چھوڑ دے گا اور اس سے خدا کا تعلق نہیں رہے گا ۔ میں نے عرض کیا: میں قربان! بتائیے وہ حقوق کیا ہیں ؟ فرمایا: اے معلی مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم انہیں ضائع نہ کردو، اور معلوم کر کے ان پر عمل نہ کرو، میں نے عرض کیا: خدا کے علاوہ کوئی طاقت و قدرت نہیں ہے ۔

فرمایا: ان میں سے آسان ترین حق یہ ہے کہ اس کے لئے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور اس کیلئے اس چیز کو اچھا نہ سمجھو جس کو اپنے لئے اچھا نہیں سمجھتے ہو۔ دوسرا حق :یہ ہے کہ تم اس کی حاجت روائی کے لئے جاؤ اور اس کی رضا طلب کرو ، اس

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۴ ص ۲۳۴ ۔

کی بات کی مخالفت نہ کرو۔ تیسرا حق: یہ ہے کہ تم اپنی جان و مال، ہاتھ، پیر اور زبان سے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ چوتھا حق: یہ ہے کہ تم اس کی آنکھ، اس کے راہنما اور اس کا آئینہ بن جاؤ۔ پانچواں حق: یہ ہے کہ اگر وہ بھوکا ہے تو کھانا نہ کھاؤ، اگر وہ ننگا ہے تو کپڑا نہ پہنو، اگر وہ پیاسا ہے تو تم سیراب نہ ہو۔ چھٹا حق: ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ تمہارے پاس بیوی ہو اور تمہارئے بھائی کے پاس بیوی نہ ہو اور تمہارے پاس نوکر و خادم ہو او رتمہارے بھائی کے پاس نہ ہو، اگر ایسا ہے تو خدمتگار کو بھیج دیا کرو تاکہ وہ اس کے کپڑے دھوئے، اس کا کھانا پکا دے، اس کا بستر بچھا دے کہ یہ حق خدا نے تمہارے اور اس کے درمیان قرار دیا ہے۔

ساتواں حق: اس کو اس کی قسم سے بری کر دو، اس کی دعوت کو قبول کرو، اس کے جنازہ میں شرکت کرو، وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو اور اس کی حاجت روائی میں پوری کوشش کرو اور یہ نوبت نہ آنے دو کہ وہ تم سے سوال کرے اور اگر سوال کرے تو اس کی حاجت روائی کے لئے دوڑو! اگر تم نے اس کے ساتھ ایسا ہی کیا تو تم نے اپنی ولایت کو اس کی ولایت سے اور اس کی ولایت کو خدا کی ولایت سے متصل کر دیا[1]۔ امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: مومن کو جب اپنے بھائی کی حاجت کا علم ہو جاتا ہے تو وہ اسے یہ تکلیف نہیں دیتا ہے کہ وہ اس سے سوال کرے، ایک دوسرے سے ملاقات کرو، ایک دوسرے پر مہربانی کرو، ایک دوسرے پر خرچ کرو، منافق کی طرح نہ ہو جاؤ کہ جو وہ کہتا ہے انجام نہیں دیتا ہے[2]۔

محمد بن مسلم سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میرے پاس اہل جبل میں سے ایک شخص آیا میں اس کے ساتھ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے رخصت ہوتے وقت امامؑ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت و وصیت فرما دیجئے تو آپؑ نے فرمایا: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرو! اور اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ اور اس کے لئے وہی چیز پسند کرو جوا پنے لئے پسند کرتے ہو اور اس کے لئے اس چیز کو پسند نہ کرو جس کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے اگر وہ سوال کرے تو اسے عطا کرو اگر وہ تمہیں دینے سے ہاتھ کھینچ لے تو تم اس کے سامنے پیش کرو تم اس کے ساتھ کارِ خیر کرتے رہو وہ بھی تمہارے ساتھ کار خیر

[1] الخصال: ج ۲ ص ۶
[2] الخصال : ج ۲ ص ۱۵۷

کرے گا۔اس کے بازو بن جاؤ کیونکہ وہ تمہارا بازو ہے اور وہ تمہارے خلاف ہو جائے توتم اس سے جدا نہ ہونا یہاں تک کہ اس کی کدورت بر طرف ہو جائے،اگر وہ کہیں چلا جائے تو اس کی عدم موجودگی میں اس کی حفاظت کرو اور اگر موجود ہو تو اس کی مدد کرو، اس کے بازو مضبوط کرو اس کی پشت پناہی کرو اس سے نرمی سے پیش آؤ،اس کی تعظیم و تکریم کرو کیونکہ وہ تم سے اور تم اس سے ہو[1]۔جابر نے امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: تمہارے قوی کو تمہارے کمزور کی اعانت کرنا چاہئے اور تمہارے مالدار کو تمہارے غریب و نادار پر مہربانی کرنا چاہئے اور انسان کو چاہئے کہ وہ بھائی کا ایسا ہی خیر خواہ ہو جیسا کہ اپنے نفس کا خیر خواہ ہے اور دیکھو! ہمارے اسرار کو پوشیدہ رکھنا،لوگوں کو ہماری گردن پر سوار نہ کرنا[2]۔

مومن کی حرمت اور اس کی محبت و خیر خواہی...امام صادقؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: کسی چیز کے ذریعہ خدا کی عبادت نہیں کی گئی جو کہ مومن کا حق ادا کرنے سے افضل ہو۔ نیز فرمایا: بیشک خدا وند عالم کی بہت سی حرمتیں ہیں مثلاً کتابِ خدا کی حرمت، رسولؐ کی حرمت، بیت المقدس کی حرمت اور مومن کی حرمت[3]۔ عبد المومن انصاری سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں ابو الحسن موسیٰ بن جعفر کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپؑ کے پاس محمد بن عبد اللہ بن محمد جعفی بھی موجود تھے، میں انہیں دیکھ کر مسکرایا تو آپؑ نے فرمایا: کیا تم انہیں دوست رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی: ہاں،اور میں ان سے آپؑ ہی حضرات کی وجہ سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا: یہ تمہارے بھائی ہیں۔اور وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا اور انہیں بتا دو کہ خدا نے ان کو ان کی نیکیوں کی وجہ سے بخش دیا ہے اور ان کی برائیوں سے در گزر کیا ہے ،آگاہ ہو جاؤ جس شخص نے میرے دوستوں میں سے میرے کسی دوست کو اذیت دی یا پوشیدہ طریقہ سے اس کے خلاف سازش کی تو اس کو اس وقت تک نہیں بخشے گا جب تک کہ وہ اس سے معافی نہیں مانگے گا پھر اگر اس سے معافی مانگ لی تو ٹھیک ہے ورنہ اس کے دل سے روح ایمان نکل جائے گی اور وہ میری

---

[1] امالی طوسی: ج۱ ص ۹۵

[2] امالی طوسی: ج۱ ص ۲۳۶۔

[3] بحار الانوار: ج۷۴ ص ۲۳۲۔

ولایت و محبت سے خارج ہو جائیگا اور ہماری ولایت میں اس کا کوئی حصہ نہیں رہے گا اور اس سے میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں[1]۔ صوری کی کتاب قضاء الحقوق میں روایت ہے کہ امیر المومنینؑ نے شہر اہواز کے قاضی رفاعہ بن شداد بجلی کو ایک خط کے ذیل میں وصیت فرمائی : جہاں تک تم سے ہو سکے مومن کی مدارات کرو کہ خدا نے اس کی حمایت کی ہے اور اس کا وجود خدا کے نزدیک معزز ہے اس کے لئے خدا کا ثواب ہوتا اور اس پر ظلم کرنے والا خدا کا دشمن ہے اس لئے تم خدا کے دشمن نہ بنو۔ رسولؐ فرماتے ہیں: مومن کو جب اپنے بھائی کی حاجت معلوم ہو جاتی ہے تو وہ اپنے بھائی کو مانگنے کی تکلیف نہیں دیتا ہے[2]۔ مومن، مومن کے لئے ایک بدن کی مانند ہے۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا : ہر چیز کے لئے کوئی چیز آرام کا باعث ہوتی ہے، مومن اپنے مومن بھائی کے پاس اسی طرح آرام محسوس کرتا ہے جس طرح پرندے کو اپنی ہی جنس کے پرندے کے پاس آرام ملتا ہے[3]۔ امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا : مومن نیکی، رحم اور ایک دوسرے پر مہربانی کرنے کے لحاظ سے ایک بدن کی مانند ہیں۔ اگر ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو بیدار رہنے اور حمایت کرنے کے لئے سارے اعضاء متفق ہو جاتے ہیں[4]۔ معلی بن خنیس نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :اپنے مسلمان بھائی کے لئے اسی چیز کو پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو اور اگر تمھیں کوئی حاجت ہو تو اس سے سوال کرو اور اگر وہ تم سے سوال کرے تو اسے عطا کرو ،نہ تم اسے کار خیر میں ملول کرو اور وہ تمھیں کار خیر میں ملول نہیں کریگا،اس کے پشت پناہ بن جاؤ کہ وہ تمہارا پشت پناہ ہے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی حفاظت کرو اور اگر موجود ہو تو اس سے ملاقات کرو اور اس کی تعظیم و توقیر کرو کیونکہ وہ تم سے ہے اور تم اس سے ہو اگر وہ تم سے ناراض ہو جائے تو اس سے جدا نہ ہونا یہاں تک کہ اس کی کدورت رفتہ رفتہ ختم ہو جائے۔ اگر اس کو کوئی فائدہ پہنچے تو اس پر خدا کا شکر ادا

[1] اختصاص : ص ۲۲۷ ، بحار الانوار: ج ۷۴ ص ۲۳۰
[2] اختصاص: ص ۲۲۷
[3] بحار الانوار: ج۷۴ ص ۲۳۴
[4] گذشته حواله

کرو اوراگر وہ کسی چیز میں مبتلا ہو تو اس کو عطا کرو اوراس کا بوجھ ہلکا کرو اور اس کی مدد کرو[1]۔عام مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک اس بات پر اہل بیتؑ نے بہت زور دیا ہے اوراپنے شیعوں کو یہ اجازت نہیں دی ہے کہ وہ خود کوملت اسلامیہ کے معتدل راستہ سے جدا کریں کیونکہ وہ اس امت کا ایسا جزء ہیں جس کو جدا نہیں کیا جا سکتا ۔ اصول و فروع اور محبت و نسبت میں اختلاف اس بات کو واجب قرار دیتا ہے کہ تمام مسلمانوں سے قطع تعلقی نہ کی جائے کیونکہ یہ امت اپنے عقائد و نظریات میں اختلاف کے باوجود ایک امت ہے :(إِنَّ هٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَ أَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ) بیشک یہ تمہاری امت ایک امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو ۔ اس امت کو روئے زمین پر عظیم ترین امت سمجھا جاتا ہے ،اس کے سامنے بڑے بڑے چیلنج ہیں اور ان چیلنجوں کا مقابلہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب ساری امت ایک محاذ پر ایک صف میں کھڑی ہو جائے ۔

ائمہ اہل بیتؑ امت ہی کے ساتھ اور مسلمانوں کے درمیان زندگی گزارتے تھے ۔ تمام مذاہب و مکاتب کے مسلمان ان کے پاس آتے تھے، ان کی مجلس و بزم میں حاضر ہوتے تھے، ان سے علم حاصل کرتے تھے اگر ہم ان علماء کے نام جمع کریں کہ جنھوں نے امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ سے علم حاصل کیا ہے تو صاحبانِ علم کی عظیم تعداد ہو جائے گی، ائمہ اہل بیتؑ کی مجلس و بزم مسلمانوں کے فقہاء و محدثین اور ہر شہر و دیار کے صاحبان علم سے بھری رہتی تھی ۔اس بات سے ہر وہ شخص آگاہ ہے جو ائمہ اہل بیتؑ کی حدیث اور ان کی سیرت سے واقف ہے،یہ ہر قسم کے مذہبی اختلاف سے محفوظ باہم زندگی گزارنے کا مثبت طریقہ ہے،اس کے ساتھ ساتھ اہل بیتؑ اپنے شیعوں اور عام مسلمانوں کے لئے اصول و فروع میں پوری صراحت کے ساتھ صحیح فکری نہج کو بیان کرتے تھے ۔اہل بیت کی حدیثوں میں مسلمانوں کے ساتھ اس مثبت ، محبت آمیزاور تعاون کی زندگی بسر کرنے کی واضح دعوت موجود ہے اس سلسلہ میں اہل بیتؑ کی چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں ۔ محمد بن یعقوب کلینی نے اپنی کتاب اصول کافی میں صحیح سند کے ساتھ ابو اسامہ زید شحام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا : امام جعفر صادقؑ نے فرمایا : ان شیعوں میں سے جس کو تم میری اطاعت کرتے اور

---

[1] بحار الانوار: ج ۷۴ ص ۲۳۴۔

میری بات پر عمل کرتے ہوئے دیکھو اسے میرا اسلام کہنا ۔ میں تمہیں خدا کا تقویٰ اختیار کرنے اور اپنے دین میں ورع، خدا کے لئے جانفشانی کرنے، سچ بولنے، امانت ادا کرنے، طویل سجدے کرنے اور نیک ہمسایہ بننے کی وصیت کرتا ہوں یہی چیز محمدؐ نے فرمائی ہے : اگر کسی شخص نے تمہارے پاس امانت رکھی ہے تو اسے اس کی امانت واپس کر دو خواہ وہ نیک چلن ہو یا بدکار، رسولؐ سوئی دھاگہ کو بھی واپس کرنے کا حکم دیتے تھے ۔ اپنے خاندان والوں کے حقوق ادا کرو، کیونکہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے دین میں ورع سے کام لے گا اور سچ بولے گا اور امانت ادا کرے گا اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئیگا تو کہا جائیگا یہ جعفری ہے، اس طرح وہ مجھے خوش کرے گا اور اس سے مجھے مسرت ہوگی ۔

اور یہ کہا جائے گا یہ ہے جعفر کا اخلاق وادب، اور اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ مجھے بدنام کرے گا اور مجھے اپنی بلا میں مبتلا کرے گا اور پھر یہ کہا جائیگا یہ ہے جعفر کا اخلاق و ادب، خدا کی قسم میرے والد نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ قبیلہ میں اگر علی کا ایک شیعہ ہو تو وہ پورے قبیلہ و خاندان کی عزت و زینت ہے وہ ان میں زیادہ امانت ادا کرنے والا، سب سے زیادہ حقوق پورے کرنے والا ۔ اور سب سے زیادہ سچ بولنے والا ہوگا اور لوگ اس کے پاس اپنی امانتیں رکھیں گے اس سے وصیتیں کریں گے جب اس کے بارے میں خاندان میں سوال کیا جائیگا تو کہا جائیگا، اس کے مثل کون ہے؟ وہ امانت دار اور ہم سب سے سچا ہے[1] ۔ صحیح سند کے ساتھ معاویہ بن وہب سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا : میں نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا : ہم اپنے اور اپنی قوم کے اوپر کیسے احسان کریں اور اپنے ہمنشینوں سے کیسے پیش آئیں ؟ آپ نے فرمایا : ان کی امانتوں کو ادا کرو، ان کے حق میں اور ان کے خلاف گواہی دو، ان کے بیماروں کی عیادت کرو اور اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرو[2] ۔ نیز صحیح سند کے ساتھ معاویہ بن وہب سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا : میں نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا : ہم اپنی قوم والوں اور ان ہمنشینوں کے ساتھ کیسے پیش آئیں جو کہ ہمارے مذہب پر نہیں ہیں؟ فرمایا : اس سلسلہ میں تم اپنے ائمہ کا طریقہ دیکھو،

---

[1] وسائل الشیعۃ : ج ۸ ص ۳۹۸، کتاب الحج ، آداب احکام العشیرۃ ، پہلا باب، پہلی حدیث ۔
[2] گذشتہ حوالہ ، دوسری حدیث ۔

جن کی تم اقتداء کرتے ہو، وہ جس کام کو انجام دیتے ہیں اسی کو تم بجالاؤ، خدا کی قسم وہ ان کے مریضوں کی عیادت کرے ہیں، ان کے مرنے والوں کے جنازوں میں شرکت کرتے ہیں اور حق کے لحاظ سے ان کے موافق اور ان کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔[1]

کلینیؒ نے کافی میں صحیح سند کے ساتھ حبیب الخثعمی سے ایک اور روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں: تمہارے لئے لازم ہے کہ تم کوشش و جانفشانی سے کام لو اور ورع اختیار کرو، جنازوں میں شرکت کرو، مریضوں کی عیادت کرو اور اپنی قوم والوں کے ساتھ ان کی مسجدوں میں جاؤ اور لوگوں کے لئے وہی چیز پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو، کیا تم میں سے اس شخص کو شرم نہیں آتی کہ جس کا ہمسایہ اس کا حق پہچانتا ہے لیکن وہ اس کا حق نہیں پہچانتا ہے[2]۔

صحیح سند کے ساتھ مرازم سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: امام صادقؑ فرماتے ہیں: تمہارے لئے لازم ہے کہ تم مسجدوں میں نماز پڑھو، لوگوں کے لئے اچھے ہمسایہ بنو، گواہی دو، ان کے جنازوں میں شرکت کرو، تمہارے لئے لوگوں کے ساتھ رہنا ضروری ہے. تم میں سے کوئی بھی اپنی حیات میں لوگوں سے مستغنی و بے نیاز نہیں ہو سکتا ۔ تمام لوگ ایک دوسرے کے محتاج ہیں[3]۔ اعتدال و میانہ روی اور موازنہ اہل بیتؑ کے شیعوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر چیز میں اعتدال سے کام لیتے ہیں، افراط و تفریط سے بچتے ہوئے میانہ روی کو اپنا شعار بناتے ہیں، عقل و فہم میں توازن رکھتے ہیں، غلو و زیادتی اور افراط و تفریط سے پرہیز کرتے ہیں ان کے اندر محبت و ہمدردی کا جذبہ ہوتا ہے ۔ عمر بن سعید بن ہلال سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں امام باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت ہماری ایک جماعت تھی، آپؑ نے فرمایا: تمہیں میانہ رو ہونا چاہئے کہ حد سے آگے بڑھنے والا تمہاری طرف لوٹے گا اور پیچھے رہ جانے والا تم سے ملحق ہوگا ،اے اہل بیتؑ کے شیعو! جان لو کہ ہمارے اور خدا کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے اور نہ خدا پر ہماری کوئی حجت ہے اور نہ طاعت کے بغیر خدا سے قریب ہوا جا سکتا ہے پھر جو خدا کا مطیع ہوگا اس کو ہماری ولایت فائدہ پہنچائے گی اور جو نافرمان ہوگا اسے ہماری ولایت کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی۔

---

[1] وسائل الشیعہ: ج ۸ ص ۳۹۹، کتاب الحج ، آداب احکام العشیرۃ ، پہلا باب ، پہلی حدیث ۔
[2] گذشتہ حوالہ ، چوتھی حدیث
[3] گذشتہ حوالہ پانچویں حدیث ۔

اس کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ایک دوسرے کو دھوکا نہ دینا اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہونا[1]۔ حفاظتی اور سیاسی ضوابط اہل بیتؑ کے شیعوں نے اموی اور عباسی عہد حکومت میں بہت سخت زندگی بسر کی ہے،ان سخت حالات کا اقتضا یہ تھا کہ شیعہ ایک حفاظتی اور سیاسی نظم و ضبط کے بہت زیادہ پابند ہو جائیں اور حفاظتی تعلیمات کا بھرپور طریقہ سے خیال رکھیں۔

اہل بیتؑ بھی اپنے شیعوں کو حفاظتی دستورات پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ اگر اہل بیتؑ کی تعلیمات نہ ہوتیں اور اہل بیتؑ ان تعلیمات کا التزام نہ کرتے تو بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومت اہل بیتؑ کے مکتب فکر کو اسی وقت ختم کر دیتی اور یہ مکتب اپنی ثقافتی، فکری اور تشریعی میراث کے ساتھ اس عہد تک نہ آتا۔ان ضوابط کی ایک اہم شق تقیہ ہے،اور راز کو چھپانا،گفتگو میں احتیاط سے کام لینا، خاموش رہنا،تغافل سے کام لینا انہی تعلیمات کی اہم شقوں میں سے تھا۔جو لوگ فردی و اجتماعی طور پر ان تعلیمات پر عمل نہیں کرتے تھے ان کی وجہ سے مکتبِ اہل بیتؑ اور ان کے شیعوں کو نقصان پہنچتا تھا۔اہل بیتؑ نے اپنے شیعوں کو جو سیاسی وحفاظتی تعلیمات دی تھیں ہم اس کے کچھ نمونے بیان کرنا چاہتے ہیں: امام صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ہمارے شیعوں کو نماز کے اوقات میں آزماؤ کہ وہ کیسے اس کی پابندی کرتے ہیں؟اور ہمارے دشمن سے ہمارے راز کو کس طرح محفوظ رکھتے ہیں۔[2] سلیمان بن مہران سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا ،اس وقت آپ کے پاس کچھ شیعہ موجود تھے اورآپ یہ فرما رہے تھے: ہمارے لئے باعث زینت بنو باعث ننگ و عار نہ بنو،اے شیعو!اپنی زبانوں پر قابو رکھو، فضول باتیں نہ کیا کرو[3]۔امام صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے شیعوں کی دو خصلتوں کو ختم کرنے میں اپنے ہاتھ کا گوشت فدیہ میں دے دیتا۔امام صادقؑ ہی فرماتے ہیں: کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ میں ان کا امام ہوں، خدا کی قسم میں ان کا امام نہیں ہوں کیونکہ میں نے جتنے پردے ڈالے تھے انہوں نے سب کو چاک کر دیاہے۔ میں کہتا ہوں ایسا ہے وہ کہتے ہیں

---

[1] بحار الانوار: ج ۶۸ ، منقول از مشکوٰۃ الانوار: ص ۶۰
[2] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۴۹
[3] گذشتہ حوالہ ص ۱۵۱۔

ایسا ہو[1]۔ امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: اے میسر! کیا میں تمہیں اپنے شیعوں کے بارے میں بتاؤں؟ میں نے عرض کیا: میں قربان ضرور بتائیے؛ فرمایا: وہ مضبوط قلعے ہیں، محفوظ سرحدیں ہیں، قوی العقل ہیں وہ رازوں کو افشا نہیں کرتے ہیں وہ کھرّے اور اجڈ نہیں ہیں، شب کے راہب اور دن کے شیر ہیں[2]۔

امام صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: خدا سے ڈرو! اور تقیہ کے ذریعہ اپنے دین کی حفاظت کرو۔[3] آپ ہی کا ارشاد ہے: خدا کی قسم کسی چیز سے خدا کی عبادت نہیں کی گئی کہ جو خبٔی سے زیادہ خدا کے نزدیک محبوب ہو، دریافت کیا گیا کہ خبٔی کیا ہے؟ فرمایا: تقیہ۔[4] امام زین العابدینؑ نے فرمایا: خدا کی قسم میری تمنا ہے کہ اپنے شیعوں کی دو خصلتوں کے لئے میں اپنے بازو کے گوشت کے برابر فدیہ کروں ایک ان کا طیش اور دوسرے، راز کو کم پوشیدہ رکھنا[5]۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: لوگوں کو دو خصلتوں کا حکم دیا گیا تھا لیکن انہوں نے انہیں ضائع کر دیا۔ پس ان کے پاس کوئی چیز نہ رہی اور وہ ہیں صبر اور راز چھپانا[6]۔ سلمان نے خالد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اے سلمان تمہارے پاس ایک دین ہے جو اسے (مخالفوں اور دشمنوں سے) چھپائے گا، خدا اسے عزت عطا کرے گا اور جو اس راز کو فاش کرے گا خدا اسے ذلیل کرے گا[7]۔ امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم مجھے اپنے اصحاب میں وہ بہت زیادہ محبوب ہے جو ان میں زیادہ پاک دامن، زیادہ سمجھ دار اور فقہ کا زیادہ جاننے والا اور ہماری باتوں کو زیادہ چھپانے والا ہے[8]۔ امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تم وہی کہو جو ہم نے بیان کیا ہے اور جس کے بارے میں ہم نے لب کشائی نہیں کی ہے اس کے بارے میں تم بھی زبان نہ کھولو۔ آپ ہی کا ارشاد ہے: جس شخص نے ہماری باتوں اور حدیثوں کا راز فاش کر دیا اس نے ہمیں غلطی

[1] بحار الانوار: ج ۲ ص ۸۰
[2] بحار الانوار: ج ۶۸ ص ۱۸۰
[3] امالی مفید: ص ۵۹
[4] اصول کافی: ج۲ ص ۲۱۸
[5] اصول کافی: ج۲ ص ۲۲۱، بحار الانوار: ج ۷۵ ص ۷۲، خصال صدوق: ص ۴۴
[6] اصول کافی: ج۲ ص ۲۲۲
[7] اصول کافی: ج ۲ ص ۲۲۶
[8] بحار الانوار: ج۷۵ ص ۷۶

و خطا سے قتل نہیں کیا ہے بلکہ ہمیں جان بوجھ کر قتل کیا ہے ۔یہ عجیب تعبیر ہے جو انسان کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے[1]۔جو لوگ دنیائے اسلام میں بسنے والے اہل بیتؑ کے پیرؤں کے راز کو فاش کرتے تھے اور یہ کام وہ اس وقت انجام دیتے تھے جب بنی عباس کی حکومت کا ظلم اپنے عروج پر تھا گویا یہ جان بوجھکر حکومت کو شیعوں کی طرف متوجہ کرتے تھے۔اگر چہ یہ کام وہ غلط نیت سے انجام نہیں دیتے تھے بلکہ وہ لوگوں سے اہل بیتؑ کی حدیثیں بیان کرتے تھے تاکہ لوگ اہل بیتؑ سے وابستہ ہو جائیں اور ان کے مکتب کو تسلیم کر لیں اور شیعیت پھیل جائے یہ سب محبت و عقیدت ہی میں ہوتا تھا ،لیکن ان چیزوں کی نشر و اشاعت ان کی ذمہ داری نہیں تھی۔

انشاء اللہ ہم عنقریب اہل بیتؑ کی محبت و عقیدت سے متعلق کچھ فقرے بیان کریں گے اور ان فقروں کو اہل بیتؑ کی زیارت سے اخذ کرنے کی کوشش کریں گے کیونکہ جو زیارتیں اہل بیتؑ سے مروی ہیں وہ ان کی محبت اور ان کے دشمنوں سے بیزاری کے مفہوم سے بھری پڑی ہیں۔ زیارت کے متن میں غور و فکر کر کے ہم محبت و بیزاری کے مکمل نظریہ کو ثابت کر سکتے ہیں، لیکن فی الحال یہ ہمارا موضوع نہیں ہے اور نہ ہی اس مقالہ میں محبت و برات کی تحقیق اور ان سے متعلق نظریہ کی تشکیل کی گنجائش ہے، ہم تو یہاں زیارتوں اور اہل بیتؑ کی دوسری حدیثوں سے کچھ ایسے فقرے پیش کرنا چاہتے ہیں جو محبت و عقیدت سے متعلق ہیں۔

مفہوم ولاء

مفہوم ولاءیہ عناصر ولاء کا پہلا عنصر ہے اور جتنی معرفت ہوتی ہے اسی تناسب سے ولاء کی قیمت ہوتی ہے اور انسان جس قدر مفہوم ولاء کو اچھے طریقہ سے سمجھتا ہے اسی لحاظ سے وہ ولاء میں قوی اور راسخ ہوگا۔زیارت جامعہ میں آیا ہے ’’: أشهِد اللّٰہ و أشھد کم أنی مؤمن بکم و بما آمنتم بہ، کافر بعدوّکم و بما کفرتم بہ، مستبصر بشأنکم، و بضلالۃ من خالفکم... مؤمن بسرکم و علانیتکم، و شاہدکم و غائبکم ‘‘۔میں خدا کو گوا

[1] بحار الانوار: ج۲ ص ۷۴

ہ قرار دیتا ہوں اور آپ حضرات -اہل بیت۔-کو گواہ بناتا ہوں کہ میں آپ پر اور ہر اس چیز پر ایمان لایا ہوں کہ جس پر آپ ایمان رکھتے ہیں، میں آپ کے دشمن کا منکر ہوں اور ہر اس چیز کا دشمن ہوں جس کو آپ نے ٹھکرا دیا ہے،آپ کی عظمت و شان کا اور آپ کی مخالفت کرنے والے کی گمراہی کی بصیرت رکھنے والا ہوں،آپ کے پوشیدہ و عیاں اور آپ کے حاضر و غائب پر ایمان رکھتا ہوں۔ہم اس معرفت پراور اس اپنے اعتماد و ایمان پر خدا اور اہل بیتؑ کو گواہ قرار دیتے ہیں اور اس سلسلہ میں ہمیں قطعاً شک نہیں ہوتا ہے ۔مندرجہ بالا فقرہ میں ولاء کے دو پہلو ہیں:

ایک مثبت: میں آپ پر اور ہر اس چیز پر ایمان رکھتا ہوں جس پرآپ کا ایمان ہے ۔دوسرا منفی: وہ ہے بیزاری، میں آپ کے دشمن کا منکر ہوں اور ہر اس چیز سے بیزار ہوں جس کو آپ نے ٹھکرا دیا ہے،یہاں کفر کے معنی ٹھکرانے اور انکار کرنے کے ہیں تو اس لحاظ سے مذکورہ فقرے کے یہ معنی ہوں گے، میں نے آپ کے دشمنوں کو چھوڑ دیا ہے بلکہ ہر اس چیز کو چھوڑ دیا ہے جس کو آپؑ حضرات نے چھوڑ دیا ہے ۔اس سے پہلے والے جملہ میں اور اس جملہ میں ولاء کی قیمت اثبات و نفی کے ایک ساتھ ہونے میں ہے۔ ایک کو قبول کرنے میں اور دوسرے کو چھوڑنے میں ہے انسان کو اکثر صرف قبول کرنے کی زحمت نہیں دی گئی ہے بلکہ اس کے ساتھ کسی چیز کو چھوڑنے کی بھی تکلیف دی گئی ہے۔اور قبول و انکار کو بصیرت و ذہانت کے ساتھ ہونا چاہئے،تقلید کی بنا پر نہیں،جیسا کہ لوگ ایک دوسرے کی تقلید کرتے ہیں، مستبصر بشأنکم و بضلالۃ من خالفکم۔

میں آپؑ کی عظمت و رفعت اورآپؑ کے مخالف کی ضلالت اور گمراہی کی بصیرت رکھتا ہوں اس جملہ میں درج ذیل تین نکات ہیں۔

ا۔ قبول عام ہے : ''مؤمن بسرکم و علانیتکم '' میں آپ کے پوشیدہ و ظاہر پر ایمان رکھتا ہوں۔

۲۔ انکار و ترک،اہل بیتؑ کے تمام دشمنوں اور ان کی ٹھکرائی ہوئی تمام چیزوں کو شامل ہے۔ ''کافر بعدوکم و بما کفرتم بہ'' میں نے آپ کے دشمنوں اور آپ کی ٹھکرائی ہوئی تمام چیزوں کو ٹھکرا دیا ہے ۔

۳۔ یہ قبول وانکار بصیرت و معرفت ہی سے مکمل ہوتا ہے۔ ''مستبصر بشأنکم و بضلالۃ من خالفکم ''میں آپ کی عظمت و رفعت کی اور آپ کے مخالف کی ضلالت کی معرفت و بصیرت رکھتا ہوں۔تصدیق ولاء تصدیق سے جدا نہیں ہو سکتی، ولاء کے لئے شک و شبہ سے زیادہ تباہ کن کوئی چیز نہیں ہے ۔ خدا وند عالم نے راہِ ولاء میں کوئی پیچیدگی نہیں رکھی ہے ۔ بیشک رب کریم نے ولاء کو توحید سے جوڑا ہے اور ولاء کو فرد و امت کا محور قرار دیا ہے، چنانچہ توحید کے بعد اسی کی طرف لوگوں کی رغبت دلائی ہے ؛فرماتا ہے : (إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ وَ الَّذِينَ آمَنُوا) اور فرماتا ہے : (أَطِيعُوا اللّٰهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ)اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسولؐ اور صاحبان امر کی اطاعت کرو۔ ولاء تک پہنچنے کے راستہ کو واضح ہونا چاہئے تاکہ ولاء کے سلسلہ میں لوگوں کے پاس دلیل و حجت ہو،اسی لئے ولاء تصدیق سے جدا نہیں ہے اور تصدیق یقین سے ہوتی ہے اور یقین دلیل و حجت سے ہوتا ہے ۔

اور زیارت جامعہ میں اہل بیتؑ کو اس طرح مخاطب قرار دیا ہے: ''سعد من والاکم ،و ھلک من عاداکم ،و خاب من جحدکم و ضلّ من فارقکم و فاز من تمسک بکم،و أمن من لجأ الیکم و سلم من صدقکم و ھدی من اعتصم بکم ''جو آپ کی ولاء سے سر شار ہوا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے آپ سے عداوت کی وہ ہلاک ہو گیا ۔ جس نے آپؑ کا اور آپؑ کے حق کا انکار کیا اس نے گھاٹا اٹھایا اور جس نے آپ کو چھوڑ دیا وہ گمراہ ہو گیا اور جس نے آپ سے تمسک کیا اس نے اپنے مقصد کو پا لیا ۔ اور جس نے آپ کی طرف پناہ لی وہ امان میں رہا اور جس نے آپ کی تصدیق کی وہ صحیح و سالم رہا اور جو آپ سے وابستہ ہو گیا و ہ ہدایت پا گیا ۔عضوی نسبت

۱۔ ہم ان عناصر سے بحث کریں گے جن سے ولاء وجود میں آتی ہے اس کے لئے ضروری ہے پہلے اس لفظ کے حروف کی وضاحت کی جائے جیسا کہ اس عہد میں ہمارے ادبیات کا شیوہ ہے اور یہ بہت اہم بات ہے معمولی نہیں ہے۔ اجتماعی ربط و ضبط اور رسم و راہ سے ہمارے عہد کا ادب اس لفظ کے معنی کو بیان کرنے سے قاصر ہے کیونکہ ایک طرف تو ہم خط افقی کے نہج سے لوگوں کے درمیان بحث کا اس جیسا رشتہ نہیں پاتے اور دوسری طرف خط عمودی کے اعتبار سے سیاسی قیادت،اور ثقافتی مرجعیت اور طاعت و پیروی ہے جیسے ولاء اوران دونوں خطوں کے لحاظ سے ولا کا تعلق امت سے منفرد ہے: ا۔ خدا و رسول اور احبان

امر سے امت کا ربط خط عمودی کے اعتبار سے ہے، جو کہ طاعت، محبت، مدد، خیر خواہی اور اتباع کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اس ربط کا اوپر سے سلسلہ شروع ہوتا ہے: جیسا کہ خدا وند عالم کا ارشاد ہے: (أَطِيعُوا اللهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ) اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحبان امر ہیں ان کی اطاعت کرو اور نیچے کی طرف سیادت و حاکمیت اور اطاعت ہے جیسا کہ خدا وند عالم فرماتا ہے: (إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَ الَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَ يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَ هُمْ رَاكِعُونَ) یہ خط عمودی ہے اس کا سلسلہ اوپر سے شروع ہوتا ہے۔

خط صعودی سے ہماری مراد امت کا اپنے صاحبان امر سے محبت کرنا ہے اور خط نزولی سے مراد صاحبان امر کا امت سے محبت کرنا ہے، اس کے ایک سرے پر حاکمیت اور دوسرے پر رعایہ ہے۔

۲۔ خط افقی، یعنی لوگوں کا اجتماعی زندگی میں ایک دوسرے سے محبت کرنا۔ اسی کو قرآن مجید نے اختصار کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے ''إنما المؤمنون اخوة'' امام حسن عسکریؑ نے آبہ اور قم والوں کے سامنے اس لفظ کی وضاحت اس طرح فرمائی، ''المؤمن أخو المؤمن لأمه و أبيه''[1] یعنی مومن، مومن کا مادری و پدری بھائی ہے یہ ایک ایسا لگاؤ اور محبت ہے کہ جس کی مثال دوسری امتوں، اور شریعتوں میں نہیں ملتی ہے۔ رسولؐ فرماتے ہیں: مومنین بھائی بھائی ہیں ان کا خون برابر ہے اور وہ اپنے غیر کے لئے ایک ہیں۔ اگر ان کا چھوٹا کسی کو پناہ دیتا ہے تو سب اس کا خیال رکھتے ہیں[2]۔

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ ''مومن، مومن کا بھائی ہے دونوں ایک بدن کے مانند ہیں کہ اگر بدن کے کسی ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس کا دکھ پورے بدن کو ہوتا ہے[3]۔'' امام جعفر صادقؑ مومنوں کو وصیت فرماتے ہیں: ایک دوسرے سے ربط و ضبط رکھو ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کرو، ایک دوسرے پر رحم کرو، اور بھائی بھائی بن جاؤ جیسا کہ خدا وند کریم نے تمہیں

[1] بحار الانوار: ج ۵ ص ۳۱۷
[2] امالی مفید: ص ۱۱۰۔

[3] بحار الانوار: ج۷۴ ص ۲۶۸

حکم دیاہے[1] یہ ہے ولاء کا خط افقی۔اس سے قوی، متین اور مضبوط رشتہ میں دوسری امتوں میں کوئی نظر نہیں آتا ہے ۔ اس صَاحت کے اعتبار سے ولاء عبارت ہے اس عضوی نسبت سے جو کہ ایک رکن کو خاندان سے ہوتی ہے ایک رکن وستون پوری عمارت کو روکے رکھتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے سیسہ پلائی ہوئی عمارت ،جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے،ایک خاندان کے افراد کا آپس میں جو رشتہ ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے ایک بدن کے اعضاء کا ہوتاہے،یہ اخوت کا رشتہ اس رشتہ سے کہیں مضبوط ہوتا ہے جو ایک خاندان کے افراد کے درمیان ہوتا ہے ۔

اس صورت میں یہ محبت اور لگاؤ ارتباط و علاقہ سے جدا ایک رشتہ ہے جوامت میں داخل ہے جس کو عضوی نسبت سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ جیسے فرد کا رشتہ خاندان سے اور عضو کا بدن سے ہوتا ہے ۔اور جب ولاء کا دارومدار خط افقی میں تعاون،ایک دوسرے سے ربط و ضبط، خیر خواہی، نیکی، بھائی چارگی، احسان و مودت، ایک دوسرے کی مدد، ایک دوسرے کی ضمانت اور تکامل وغیرہ پر ہے ۔ تو خط عمودی میں ولا کا دار و مدار، طاعت، تسلیم و محبت، نصرت و پیروی، وابستگی، اتباع، تمسک اور ان سے اور ان کے دوستوں سے محبت اور ان کے دشمنوں سے قطع تعلقی اور برات و بیزاری کرنے پر ہے ۔اس نکتہ کے آخر میں ہم یہ بیان کر دیں کہ، محبت کرنا اور بیزار ہونا کوئی تاریخی قضیہ نہیں ہے کہ جو ہماری سیاسی زندگی اور آج کی تہذیب سے جدا ہو۔اور امام جعفر صادقؑ نے ولاء کی جو تعریف کی ہے اس کے لحاظ سے وہ کوئی اعتقادی مسئلہ نہیں ہے جس کا ہماری اس سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے جس میں زندگی گزارتے ہیں۔امام کا ارشاد یہ ہے : جتنی اہمیت ہم ولا کو دیتے ہیں اتنی کسی چیز کو نہیں دیتے ہیں۔

ولاء یعنی طاعت، محبت، نسبت،بیزاری، صلح و سلامتی اور جنگ اور ہماری موجودہ سیاسی و اجتماعی موقف ہے۔جب تک کہ ولاء وبیزاری ہمارے عقائد کو حرکت و عمل کی طرف نہ بڑھائے اور شرعی ولایت کے طول میں سیاسی میدان میں جنگ و صلح میں نمایاں نہ ہواس وقت تک ولاء و بیزاری کی وہ اہمیت نہیں ہوگی جو کہ ہم اہل بیت سے وارد ہونے والی نصوص میں بیان ہوئی ہے ۔اب

[1] اصول کافی: ج ۲ ص ۱۷۵

ہم انشاء اللہ ولاء سے متعلق ان فقروں کو اختصار کے ساتھ بیان کریں گے جو زیارتوں میں اہل بیتؑ سے نقل ہوئے ہیںیہ زیارات ولاء کے مفہوم سے معمور ہیں۔ برات و بیزاری ولاء و محبت کا ایک پہلو، برات و بیزاری ہے اور ولاء و برات ایک ہی قضیہ کے دو رخ ہیں اور وہ نسبت ہے اوراور یہ برات قضیہ کی نسبت میں بہت ہی دشوارپہلو ہے اور برات کے بغیر ولاء ناقص ہے ، ایک شخص نے امیر المومنینؑ کی خدمت میں عرض کیا : میں آپ سے بھی محبت کرتا ہوں اور آپ کے دشمن سے بھی محبت کرتا ہوں۔ (یہی ناقص ولاء ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں) امیر المومنینؑ نے اس سے فرمایا : تو اس صورت میں تم بھینگے ہو (بھینگے کو پوری چیز نظر نہیں آتی ہے) اگر تم اندھے ہو (اس صورت میں برات و بیزاری کے ساتھ ولاء بھی ختم ہو جاتی ہے) یا تم دیکھتے ہو (تو ولاء و برات جمع ہو جاتی ہیں) ۔

زیارت جامعہ میں آیا ہے : میں خدا کو گواہ قرار دیتا ہوں اور آپ حضرات کو گواہ بناتا ہوں کہ آپ پر ایمان لایا اور ہر اس چیز پر ایمان لایا ہوں جس پر آپ کا ایمان ہے، آپ کے دشمن سے بیزار ہوں اور ہر اس چیز سے بیزار ہوں جس کو آپ نے ٹھکرا دیا ہے، میں آپ کی عظمت کی اور آپ کے مخالف کی گمراہی کی بصیرت رکھتا ہوں، میں آپ کا دوست اور آپ کے دوستوں کا دوست ہوں ،میں آپ کے دشمنوں سے بغض رکھنے والا ہوں اور ان کا دشمن ہوں۔ زیارت عاشورہ میں تو خدا کے دشمنوں سے کھلم کھلا اور شدت کے ساتھ بیزاری کا اظہار ہوا ہے '' :لعن اللہ أمۃ قتلتکم ، و لعن اللہ الممھدین لھم بالتمکین لقتالکم برئت الیٰ اللہ و الیکم منھم و من شیاعھم و أتباعھم و أولیاءھم '' ۔ خدا لعنت کرے اس گروہ پر جس نے آپ کو قتل کیا، خدا لعنت کرے ان لوگوں پر کہ جنھوں نے جنگ کرنے کے لئے زمین ہموار کی، میں خدا کی بارگاہ میں اور آپ کی خدمت جناب میں ان سے ، ان کے پیروؤں، ان کا اتباع کرنے والوں اور ان کے دوستوں سے بیزار ہوں۔ اس زیارت میں صرف خدا کے دشمنوں ہی سے بیزاری کا اظہار نہیں ہوا ہے بلکہ خدا کے دشمنوں کی پیروی واتباع کرنے والوں اور ان سے خوش ہونے والوں سے بھی بیزاری ہے اور جس طرح ہم اولیاء خدا کی محبت کے ذریعہ خدا سے قریب ہوئے ہیں اسی طرح ہم خدا کے دشمنوں اور ان کے دوستوں کی دشمنی سے بھی خدا سے قریب

ہوتے ہیں۔ زیارت عاشورہ ہی میں ہے''؛ انی اتقرب الیٰ اللہ و الیٰ رسولہ بموالاتکم وبالبراءۃ ممن قاتلک و نصب لک الحرب وبالبراءۃ ممن أسس أساس ذلک و بنیٰ علیہ بنیانہ''میں آپ کی محبت و دوستی کے ذریعہ خدااور اس کے رسولؐ کا تقرب حاصل کرتا ہوں اور ان لوگوں سے کہ جنھوں نے آپ سے قتال و جنگ کی ہے ان سے بیزار ہوں اور جس نے اس کی بنیاد رکھی اور پھر اس کی عمارت بنائی اس سے بھی بیزاری کے ساتھ خدا کا تقرب چاہتا ہوں۔

ولاء اور توحید کا ربط

ولاء توحید ہی کے تحت ہے اس کو ہم پہلے بھی کئی بار بیان کر چکے ہیں،اسلام میں ولاء کی قیمت یہ ہے کہ اس کا سوتا توحید کے چشمہ سے پھوٹتا ہے اور توحید کے طول میں آتی ہے، کسی غیرِ خدا سے کوئی محبت نہیں ہے مگر یہ کہ خدا کے اذن اور اس کے حکم سے کی جا سکتی ہے خدا وند عالم فرماتا ہے : (أللہ وَلِیُّ الَّذِین آمَنُوا) خدا ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے ہیں۔ اس کے بعد رسولؐ خدا اور صاحبان امر کی ولایت خدا کے حکم سے واجب ہوتی ہے، جس نے خدا سے محبت کی اس نے رسولؐ سے محبت کی اور جس نے رسولؐ سے محبت کی اس نے صاحبان امر سے محبت کی، واضح رہے رسولؐ کی ولایت کو خدا کی ولایت سے اور اہل بیتؑ کی ولایت کو رسولؐ کی ولایت سے جدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔خدا وند عالم فرماتا ہے :(إنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللہ وَ رَسُولُہُ وَ الَّذِین آمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیمُونَ الصَّلاۃَ وَ یُؤتُونَ الزَّکاۃَ وَ ھُمْ رَاکِعُونَ[1])

تمہارا ولی صرف خدا ، رسولؐ اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکواۃ دیتے ہیں۔روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور '' یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ و ھم

---

[1] سورہ مائدہ: ۵۵، یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے اس کو فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں سورہ مائدہ کی آیہ انما ولیکم اللہ کے ذیل میں بیان کیا ہے اور شبلخجی نے نور الابصار ص ۱۷۰ پر ، زمخشری نے کشاف میں سورہ مائدہ میں مذکورہ آیت کے ذیل میں، ابو السعود نے مذکورہ آیت کے ذیل میں، اسی طرح بیضاوی نے اس کو متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے، سیوطی نے در منثور میں اسی آیت کے سلسلہ میں متعدد طریقوں سے روایت کی ہے . واحدی نے اسباب النزول ص ۱۴۸ پر ،متقی نے کنزل العمال ج۶ ص ۳۱۹ پر اور ج ۷ ص ۳۰۵ پر، ہیثمی نے مجمع الزوائد: ج۷ ص ۱۷ پر، طبری نے ذخائر العقبیٰ ج۸ ص۱۰۲ پر اور فیروز آبادی نے فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ ج۲ ص ۱۸ و ۲۴ پر اس کی روایت کی ہے .

راکعون''سے حضرت علیؑ ہی مراد ہیں۔ یہ ولایت، خدا اور اس کے رسولؐ اور ان لوگوں کی ہے جو ایمان لائے ہیں اور جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکواۃ دیتے ہیں وہی مسلمانوں کے ولی امر ہیں۔ اس لحاظ سے رسولؐ اور آپؐ کے اہل بیتؑ کی ولایت خدا کی ولایت ہی کی کڑی ہے جیسا کہ رسولؐ اور آپؐ کے بعد مسلمانوں کے ولی امر کی اطاعت بھی خدا کی اطاعت ہی کی کڑی ہے ۔ اور ولایت و طاعت ہی کی طرح محبت بھی ہے۔

رسولؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: خدا سے اس لئے محبت کرو کہ اس نے تمہیں اپنی نعمتوں سے سرشار کیا ہے اور مجھ سے خدا کی محبت کی بدولت محبت کرو اور میرے اہل بیت سے میری محبت کے باعث محبت کرو[1]۔ آپؐ ہی کا ارشاد ہے: خدا سے محبت کرو کہ اس نے تمہیں اپنی نعمت سے سرشار کیا ہے اور مجھ سے خدا کی محبت کی وجہ سے محبت کرو اور میرے اہل بیتؑ سے میری محبت کے سبب محبت کرو[2]۔ بنا برایں جو شخص خدا سے محبت کرے گا وہ ان حضرات سے بھی محبت کرے گا اور جو خدا کی اطاعت کرے گا وہ ان کی اطاعت کرے گا اور جو خدا سے محبت کرے گا وہ ان سے محبت کرے گا۔ یہ توحیدی میزان کا ایک پلہ اور دوسرا پلہ یہ ہے کہ جو ان سے تولیٰ کرے گا وہ خدا سے تولیٰ کرے گا اور جو ان کی اطاعت کرے گا در حقیقت وہ خدا کی اطاعت کرے گا اور جو ان سے محبت کرے گا وہ در حقیقت خدا سے محبت کرے گا۔ اس طرح یہ دوستی وولاء اور توحید کے پلے برابر ہو جائیں گے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل روایتوں کو ملاحظہ فرمائیں جو کہ ترازو کے دوسرے پلے کی طرف اشارہ کرتی ہیں: زیارت جامعہ میں آیا ہے'': من والاکم فقد والي اللہ، و من عاداکم فقد عادی اللہ''جس نے آپ سے محبت کی در حقیقت اس نے خدا سے محبت کی اور جس نے آپ سے دشمنی کی اس نے خدا سے دشمنی کی۔ اسی زیارت میں آیا ہے'': من أطاعکم فقد أطاع اللہ و من عصاکم فقد عصی اللہ''جس نے آپ کی اطاعت کی در حقیقت اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے آپ کی نافرمانی کی در حقیقت اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ اسی زیارت میں آیا ہے'': من أحبکم فقد احب اللہ و من أبغضکم فقد

---

[1] صحیح ترمذی: ج ۱۳ ص ۲۶۱، تاریخ بغداد: ج۴ ص ۱۶۰ ، اور اس کو ان دونوں سے علامہ امینی نے اپنی گراں قیمت کتاب سیرتنا و سنتنا میں تحریر کیا ہے.

[2] صحیح ترمذی کتاب المناقب باب مناقب اہل البیت، مستدرک حاکم: ج۳ ص ۱۴۹، اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے.

أبغضاللہ ''جس نے آپ سے محبت کی اس نے خدا سے محبت کی اور جس نے آپ سے بغض رکھا اس نے خدا سے بغض رکھا ۔اور ہم ان کی محبت اور ان کے دشمنوں سے بیزاری کے ذریعہ خدا سے قریب ہوتے ہیں۔ چنانچہ زیارت عاشورہ میں ہے ''انی اتقرب الیٰ اللہ بموالاتکم و بالبراءۃ ممن قاتلک و نصب لک الحرب''میں آپ کی محبت اور اس شخص سے بیزاری کے ساتھ خدا کا تقرب چاہتا ہوں کہ جس نے آپؑ سے قتال کیا اور آپ سے جنگ کی۔ رسولؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا '' من أطاعنی فقد أطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ و من عصی علیاً فقد عصانی[1] ''۔جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی(اسی طرح) جس نے علی کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا : نبیؐ نے علیؑ کی طرف دیکھا اور فرمایا : اے علی! میں دنیا و آخرت میں سید و سردار ہوں تمہارا دوست میرا دوست ہے اور میرا دوست خدا کا دوست ہے اور تمہارا دشمن میرا دشمن ہے اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے۔ [2]اسلام میں تولیٰ اور تبری کے مفہوم کے باریک نکات میں سے یہ بھی ہے کہ ہم ولایت خدا اور ولایت اہل بیتؑ کے درمیان جو محکم توحیدی ربط ہے اسے دقیق طریقہ سے سمجھیں اور دونوں ولایتوں کے درمیان توحیدی توازن کو سمجھیں اور یہ جان لیں کہ اسلام میں جو بھی ولایت ہے وہ خدا کی ولایت کے تحت ہی ہوگی ورنہ وہ باطل ہے اور جو بھی اطاعت ہے اسے بھی خدا کی اطاعت ہی کے تحت ہونا چاہئے اور اگر خدا کی طاعت کے تحت نہیں ہے تو وہ باطل ہے اور ہر محبت کو خدا کی محبت کے تحت ہونا چاہئے ورنہ خدا کے میزان میں اس کی کوئی قیمت و حیثیت نہیں ہوگی۔

اس سیاق میں یہ بھی ہے کہ اہل بیتؑ خدا کی طرف راہنمائی کرنے والے اور اس کی طرف بلانے والے ہیں اور اس کے امر سے حکم کرنے والے ہیں، اس کے سامنے سراپا تسلیم ہیں اور خدا کے راستہ کی طرف ہدایت کرنے والے ہیں۔یہ قضیہ کا ایک پہلو ہے

---

[1] حاکم نے مستدرک الصحیحین ج ۳ ص ۱۲۱و ۱۲۸ پر بیان کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے. ریاض النضرۃ محب الطبری ج۲ ص ۱۶۷ . فیروز آبادی کی فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ ج۲ ص ۱۱۸

[2] مستدرک الصحیحین ج۳ ص ۱۲۷، اور حاکم نے اس حدیث کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے خطیب نے تاریخ بغداد: ج ۳ ص ۱۴۰ پر ابن عباس سے سے پانچ طریقوں سے اس کی روایت کی ہے. اور لکھتے ہیں:من احبک فقد احبنی و حبی حب اللہ جس نے تم سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور میری محبت خدا کی محبت ہے اور محب نے ریاض النضرۃ ج۲ ص ۱۶۶ پر، فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ للفیروز آبادی ج۲ ص ۲۴۴ پر اور اس حدیث کے متعدد طرق نقل کئے ہیں.

،اس کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چاہتا ہے اور اس کے راستہ، اس کی مرضی اور اس کے حکم و حدود کو دوست رکھتا ہے اسے اہل بیتؑ کے راستہ پر چلنا چاہئے اور انکے عمل کو اختیار کرنا چاہئے ،اس توحیدی معادلہ کے دونوں اطراف کو ملاحظہ فرمائیں:زیارت جامعہ میں آیا ہے : الیٰ اللّٰہ تدعون و علیہ تدلون و بہ تؤمنون ولہ تسلمون و بأمرہ تعلمون و الیٰ سبیلہ ترشدون و بقولہ تحکمون۔آپ اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اسی کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور اسی پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی کے سامنے سراپا تسلیم ہیں اور اسی کے امر کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اس کے راستہ کی طرف ہدایت کرتے ہیں اور اس کے قول کے مطابق حکم دیتے ہیں۔یہ قضیہ کا ایک سرا ہے اور اس کا دوسرا سرا یہ ہے'' : من اراد اللّٰہ بدء بکم و من وحدہ قبل عنکم و من قصدہ توجہ بکم ''اس کی تاکید ایک بار پھر کردوں کہ ہم ولاء کو خدا کی ولایت کے تحت اسی توحیدی طریقہ سے سمجھ سکتے ہیں، اگر اہل بیتؑ کی ولایت، طاعت اور محبت ولایت خدا کے تحت نہیں ہے تو وہ اہل بیتؑ کی تعلیم اور ان کے قول کے خلاف ہے ۔

سلام و نصیحت

یہ بھی ولاء کے دو رخ ہیں یعنی صاحبان امر کے ساتھ کس طرح پیش آئیں ،سلام اس لگاؤ کا سلبی رخ ہے اور نصیحت اس لگاؤ کا ایجابی رخ ہے ،اس کی تشریح ملاحظہ فرمائیں:صاحبان امر (رسول خداؐ اور اہل بیتؑ)پر سلام بھیجنا جیسا کہ زیارات کی نصوص میں وارد ہوا ہے یہ سلام مقولہ خطاب سے نہیں ہے بلکہ سلام کا تعلق مقولۂ ارتباط و علاقہ سے ہے اور خطاب کو علاقہ اور ارتباط سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔صاحبانِ امر پر جو سلام بھیجا جاتا ہے اس کے باریک معنی یہ ہیں کہ ہم انہیں اپنے افعال و اعمال کے ذریعہ اذیت نہ دیں کیونکہ وہ ہمارے اعمال کو دیکھتے ہیں جیساکہ سورۂ قدر اور دوسری روایات اس کی گواہی دے رہی ہیں۔ان کے دوستوں کے برے اعمال اور ان کا گناہوں اور معصیتوں میں آلودہ ہونا انہیں تکلیف پہنچاتا ہے اسی طرح ان دو فرشتوں کو رنجیدہ کرتا ہے جو ان کے ساتھ رہتے ہیں اور ان کے دوستوں کے نیک و صالح اعمال انہیں خوش کرتے ہیں،ہم صاحبان امر پر سلام والی بحث کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتے ہیں۔ان پر سلام سے متعلق زیارتیں معمور ہیں، زیارت جامعہ غیر معروفہ میں ،کہ جس کو شیخ صدوقؒ نے (کتاب من لا یحضرہ الفقیہ

)میں امام رضاؑ سے نقل کیا ہے، سلاموں کا سلسلہ ہے ہم ان میں سے ایک حصہ یہاں نقل کرتے ہیں'' :السلام علیٰ أولیاء اللہ و أصفیائہ ،السلام علیٰ أمناء اللہ و أحبائہ، السلام علیٰ أنصار اللہ و خلفائہ، السلام علیٰ محالّ معرفۃ اللہ، السلام علیٰ مساکن ذکر اللہ، السلام علیٰ مظهري أمر اللہ و نهيہ، السلام علیٰ الدعاۃ الیٰ اللہ، السلام علیٰ المستقرّین فی مرضاۃ اللہ، السلام علیٰ المخلصین فی طاعۃ اللہ، السلام علیٰ الأدلآء علیٰ اللہ، السلام علیٰ الذین من والاهم فقد والیٰ اللہ، و من عاداهم فقد عادیٰ اللہ، و من عرفهم فقد عرف اللہ، و من جهلهم فقد جهل اللہ، و من اعتصم بهم فقد اعتصم باللہ، و من تخلّی عنهم فقد تخلّیٰ عن اللہ۔ ''سلام ہو خدا کے دوستوں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر، سلام ہو خدا کے امین اور اس کے احباء پر، سلام ہو خدا کے انصار اور اس کے خلفاء پر، سلام ہو معرفتِ خدا کے مقام پر سلام ہو، ذکرِ خدا کی منزلوں پر ،سلام ہو خدا کے امر و نہی کے ظاہر کرنے والوں پر، سلام ہو خدا کی طرف بلانے والوں پر، سلام ہو خدا کی خوشنودی کے مرکزوں پر، سلام ہو طاعتِ خدا میں خلوص کرنے والوں پر، سلام ہو خدا کی طرف راہنمائی کرنے والوں پر، سلام ہو ان لوگوں پر کہ جو ان سے محبت کرے تو وہ محبت در حقیقت خدا سے ہو اور جو ان سے دشمنی کرے تو اصل میں اس کی دشمنی خدا سے ہو، جس نے انکو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا اور جس نے ان کو نہ پہچانا اس نے خدا کو نہ پہچانا ،جو ان سے وابستہ ہو گیا وہ خدا سے وابستہ ہو گیا اور جس نے ان کو چھوڑ دیا اس نے خدا کو چھوڑ دیا۔

نصیحت

نصیحت صاحبانِ امر سے محبت و عقیدت کا دوسرا رخ ہے صاحبانِ امر کا خیر خواہ ہونا مقولۂ توحید سے ہے یہ بھی خدا و رسولؐ سے مخلصانہ محبت کے تحت آتا ہے، یہ ان تین سیاسی قضیوں میں سے ایک ہے جن کا اعلان رسولؐنے حجۃ الوداع کے موقعہ پر عام مسلمانوں کے سامنے مسجد خیف میں کیا تھا۔شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب خصال میں امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حجۃالوداع کے موقعہ پر رسولؐ نے منی کے میدان میں مسجدِ خیف میں خطبہ دیا پہلے خدا کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا: خدا شاداب و خوش رکھے اس بندے کو جس نے میری بات کو سنا اور محفوظ رکھا اور پھر اس بات کو اس شخص تک پہنچایا جس نے وہ بات نہیں

سنی تھی کیونکہ بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے فقہ کے حامل اس شخص تک اسے پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے، تین چیزوں سے مسلمان کا دل نہیں تھکتا ہے:

۱۔ خدا کے لئے خلوص عمل سے۔

۲۔ مسلمانوں کے ائمہ کی خیر خواہی سے۔

۳۔ اور اپنی جماعت کے ساتھ رہنے سے۔اس لئے کہ ان کی دعوت انہیں گھیرے ہوئے ہے ۔اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں،ان کا خون ایک ہی ہے اور ان کے ذمہ چیزوں کی ان کا چھوٹا بھی پابندی کرتا ہے اور وہ اپنے مخالف کے لئے ایک ہیں[1]۔ اور صاحبانِ امر اور مسلمانوں کے ائمۂ کی خیر خواہی یہ ہے کہ مسلمان ان کی مدد کرے، ان کی پشت پناہی کرے ،انہیں محکم و مستحکم کرے، ان کا دفاع کرنے کی کوشش کرے، انہیں خیر خواہانہ مشورہ دے ان کی حفاظت کرے ان کے سامنے مسلمانوں کی مشکلیں اور رنج و غم کو بیان کرے یہ اس کی محبت و لگاؤ کا مثبت پہلو ہے ۔نمونۂ عمل اور قیادت ولاء کے مفردات میں سے اہل بیتؑ کی تاسی کرنا بھی ہے۔بیشک خداوند عالم نے پہلے ابراہیم کو اور ان کے بعد رسولؐ کو لوگوں کے لئے بہترین نمونہ عمل قرار دیا تھا اور لوگ ان دونوں کی اقتداء کرتے تھے اور خود کو ان کے لحاظ سے دیکھتے اور پرکھتے تھے۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے: (قَد کَانَتْ لَکُمْ أُسْوَۃ حَسَنَۃِ فِی إِبْرَاهِیمَ وَ الَّذِینَ مَعَہُ[2]) یقیناً ابراہیم میں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں ان میں تمہارے لئے اچھا نمونہ ہے۔ نیز فرماتا ہے: (لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُولِ اللّٰہِ أُسْوَۃ حَسَنَۃ[3]) رسولؐ کے بعد آپؐ کے اہل بیتؑ اور آپؐ کے خلفاء ہمارے لئے نمونہ عمل ہیں، ہم اپنی زندگی میں، اپنی محبت میں ،اپنی عائلی زندگی میں، اپنے اہل و عیال سے محبت کرنے میں اور خود سے محبت کرنے میں اور ان سب سے پہلے خدا سے محبت کرنے میں ہم انہیں کی پیروی کرتے ہیں۔واضح رہے کہ تاسی، تعلم نہیں

---

[1] بحار الانوار: ج۲۷ ص ۶۷۔
[2] سورہ ممتحنہ: ۴
[3] سورہ احزاب: ۲۱

ہے، اہل بیتؑ ہمارے معلم اور نمونۂ عمل ہیں، ہم ان کی توجیہات اور ان کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں، ہم ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں، ان کے راستہ پر گامزن ہوتے ہیں اور زندگی میں انہیں کی رسم و راہ اختیار کرتے ہیں،ایسی زندگی گزارتے ہیں جیسی انہوں نے گزاری ہے، عام لوگوں اور اپنے خاندان والوں کے ساتھ ایسے ہی رہتے ہیں جیسے وہ رہتے تھے۔ بیشک ائمہ اہل بیتؑ معصوم ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ انسانیت کے لئے کامل نمونہ ہیں، خدا نے انہیں میزان و معیار قرار دیا ہے، ہم خود کو انہیں کے معیار پر پرکھتے ہیں پس ہماری جو گفتار و کردار، ہماری خاموشی اور ہماری حرکت و سکون اور ہمارا اٹھنا بیٹھنا ان کی گفتار و کردار اور ان کے حرکت و سکون کے مطابق ہوتا ہے وہ صحیح ہے اور جو ان سے مختلف ہے وہ غلط ہے، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے، اور زیارت جامعہ میں نقل ہونے والے درج ذیل جملے کے یہی معنی ہیں:

''المتخلف عنکم ھالک و المتقدم لکم زاھق واللازم لکم لاحق''آپ سے روگردانی کرنے والا فانی اور آپ سے آگے بڑھنے والا مٹ جائیگا اور آپ کا اتباع کرنے والا آپ سے ملحق ہوگا ۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اہل بیتؑ کی سیرت اور سنتوں کا مطالعہ کریں تاکہ ہمارا کردار ان کے کردار کے مطابق ہو جائے، حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: تم میں اس کی طاقت نہیں ہے لیکن تم ورع و کوشش سے میری مدد کرو۔ زیارت جامعہ میں ائمہؑ کی توصیف میں بیان ہوا ہے : وہ بہترین نمونے ہیں اور بہترین نمونے ہی معیار ہیں اور جہاں تک ہو سکے لوگ خود کو ان ہی معیاروں پر پرکھیں۔ رسولؐ کے اہل بیتؑ نے حضرت ابراہیمؑ اور خود آنحضرتؐ سے اقدار و اخلاق، عبودیت و اخلاص اور طاعت و تقویٰ کی میراث پائی ہے ۔ جو شخص انبیاء کی ہدایت پانا اور ان کے راستہ پر چلنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اہل بیتؑ کی اقتداء کرے اور ان کے نقش قدم پر چلے۔ زیارت جامعہ میں یہ دعا ہے'': جعلنی اللہ ممن یقتص آثارکم و یسلک سبیلکم و یھتدی بھداکم''خدا مجھے ان لوگوں میں قرار دے کہ جو آپ کے راستہ پر چلتے ہیں اور آپ کی ہدایت سے ہدایت پاتے ہیں۔ رنج و مسرترنج و مسرت ولاء کی دو حالتیں ہیں اور یہ دونوں محبت کی نشانیاں ہیں کیونکہ جب انسان کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ اس کے غمگین ہونے سے غمگین ہوتا ہے اور اس کے خوش ہونے سے خوش ہوتا ہے ۔ امام صادقؑ

سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ہمارے شیعہ ہم ہی میں سے ہیں انکو وہی چیز رنجیدہ کرتی ہے جو ہمیں رنجیدہ کرتی ہے اور انہیں وہی چیز خوش کرتی ہے جو ہمیں خوش کرتی ہے[1]۔ صحیح روایت میں ریان بن شیب معتصم عباسی کے ماموں سے نقل ہوا کہ امام رضاؑ نے اس سے فرمایا: اے شیب کے بیٹے اگر تم جنتوں کے بلند درجوں میں ہمارے ساتھ رہنا پسند کرتے ہو تو ہمارے غم میں غم اور ہماری خوشی میں خوشی مناؤ اور ہماری ولایت سے متمسک ہو جاؤ کیونکہ اگر کوئی شخص پتھر سے بھی محبت کرے گا تو خدا قیامت کے دن اسے اسی کے ساتھ محشور کرے گا[2]۔

مسمع سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: امام جعفر صادقؑ نے مجھ سے فرمایا: اے مسمع! تم عراقی ہو! کیا تم قبرِ حسینؑ کی زیارت کرتے ہو؟ میں نے عرض کی: نہیں ، میں بصری مشہور ہوں، ہمارے یہاں ایک شخص ہے جو خلیفہ کی خواہش کے مطابق عمل کرتا ہے اور ناصبی اور غیر ناصبی قبائل میں سے بہت سے لوگ ہمارے دشمن ہیں مجھے اس بات کا خوف رہتا ہے کہ لوگ سلیمان کے بیٹے سے میری شکایت نہ کر دیں او روہ میرے در پے ہو جائیں، آپؑ نے مجھ سے فرمایا: کیا تمہیں یاد ہے کہ اس پر کیا احسان کیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ پھر فرمایا: کیا تم اس پر غم کا اظہار کرتے ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں۔ میں اس پر اس قدر آنسو بہاتا ہوں کہ میرے اہل و عیال میرے چہرہ پر اس کا اثر دیکھتے ہیں۔ میں کھانا نہیں کھاتا خدا آپ کے آنسوؤں پر رحم کرے... جو ہماری خوشی میں خوشی اور ہمارے غم میں غم مناتے ہیں اور ہمارے خوف میں خوف زدہ ہوتے ہیں اور جب ہم امان میں ہوتے ہیں تو وہ خودکو امان میں محسوس کرتے ہیں۔ تم مرتے دم دیکھوگے کہ تمہارے پاس میرے آباء و اجداد آئے ہیں اور تمہارے بارے میں ملک الموت کو تاکید کر رہے ہیں اور تمہیں ایسی بشارت دے رہے ہیں کہ جس سے مرنے سے پہلے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ نتیجہ میں ملک الموت تمہارے لئے اس سے زیادہ مہربان ہو جائے گا کہ جتنی شفیق ماں بیٹے پر مہربان ہوتی

---

[1] امالی طوسی: ج ۱ ص ۳۰۵
[2] امالی صدوق: ص ۷۹ مجلس ۲۷

ہے۔[1] ابان بن تغلب سے مروی ہے انہوں نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ہمارے اوپر ہونے والے ظلم پر رنجیدہ ہونے والے کی سانس تسبیح ،ہمارے لئے اہتمام کرنا عبادت اور ہمارے راز کو چھپانا راہِ خدا میں جہاد ہے[2]۔ ہم اسی خاندان سے ہیں ،ہم عقیدہ ، اصول، محبت، بغض ، ولاء اور برأت میں ان کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اور اس محبت و ولاء کی علامت ان کی خوشی و غم میں خوش اور غمگین ہونا ہے ۔ لیکن ہم اپنے اس رنج و مسرت کو کیوں ظاہر کرتے ہیں اور اس کو دل و نفس کی گہرائی سے نکال کر نعرہ زنی کی صورت میں کیوں لاتے ہیں اور اس کو معاشرہ میں دوستوں اور دشمنوں کے درمیان کیوں ظاہر کرتے ہیں۔

اور اہل بیتؑ کی حدیثوں میں اس رنج و بکا خصوصاً مصائب حسینؑ کے اظہار کی کیوں تاکید کی گئی ہے ۔بکر بن محمد ازدی نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فضیل سے فرمایا: تم لوگ بیٹھتے اور گفتگو کرتے ہو؟ عرض کی: میں آپ پر قربان،ہاں ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ فرمایا: میں ان مجلسوں کو پسند کرتا ہوں لہٰذا تم (ان مجلسوں میں) ہمارے امر کو زندہ کرو، خدا رحم کرے اس شخص پر جس نے ہمارے امر کو زندہ کیا ۔[3] یہ اظہار غم اور نعرہ زنی ہماری ایمانی کیفیت کا اعلان ہے (یہ ہماری تہذیبی، سیاسی اور ثقافتی وابستگی کا اظہار ہے) یہ اعلان و اظہار اور نعرہ زنی اہل بیتؑ سے ہماری وابستگی کا اعلان ہے۔یہ وہ چیز ہے جس کی ہم نے مرور زمانہ میں حفاظت کی ہے جس کو ہم نے سیاسی و ثقافتی حملوں سے آج تک بچایا ہے ۔ ہمراہی اور اتباع شاید لفظ ہمراہی و معیت مکتب اہل بیتؑ سے منسوب ہونے کے لئے بہترین لفظ ہے، خوشحالی و بدحالی، تنگی و کشادگی،اور صلح و جنگ میں ہم انہیں کے ساتھ ہیں،یہ لفظ زیارت جامعہ میں وارد ہوا ہے گویا ترانۂ ولاء کا ایک جملہ ہے ''معکم معکم لا مع عدوکم۔'' میں آپ کے ساتھ ہوں آپ کے ساتھ،آپ کے دشمن کے ساتھ نہیں ہوں...زیارت کا یہ ٹکڑا بعض روایاتوں میں وارد ہوا ہے: لا مع غیرکم اور یہ جملہ لا مع عدوکم ''کی بہ نسبت زیادہ وسیع ہے ثقافتی اتباع و ولاء میں اتباع کا مفہوم زیادہ وسعت رکھتا ہے ۔

---

[1] کامل الزیارات: ص ۱۰۱
[2] امالی مفید: ص ۲۰۰، بحار الانوار: ج ۴۴ ص ۲۷۸
[3] بحار الانوار: ج ۴۴ ص ۲۸۲

یہ مفہوم جنگ و صلح، محبت و عداوت، فکر و ثقافت اور معرفت و فقہ میں اتباع کو شامل ہے۔ ہم اس سلسلہ میںآزاد ہیں کہ مشرق و مغرب میں جہاں بھی ہمیں علم ملے اسے حاصل کریں لیکن یہ بات جائز ہے اور نہ صحیح ہے کہ ہم سر چشمہ وحی کو چھوڑ کر معرفت و ثقافت دو سرے مرکز سے حاصل کریں اور اہل بیتؑ نے معرفت و ثقافت کو وحی کے چشمے سے حاصل کیا ہے، کیوں نہ ہو وہ نبوت کے اہل بیتؑ اور رسالت کی منزل ہیں، فرشتوں کی آمد و رفت کا مرکز ہیں،وحی کے اترنے کی جگہ ہیں اور علم کے خزینہ دار ہیں...جیسا کہ زیارت جامعہ میں وارد ہوا ہے ۔ثقافت اور علم کے درمیان فرق ہے علم براہ راست انسان کے چال چلن، عقیدہ ، طرز فکر، طریقۂ عبادت، محبت، معاشرت، تحرک، اجتماعی و سیاسی سرگرمی و فعالیت وغیرہ پر اثر انداز نہیں ہوتا ہے، لیکن ثقافت انسان کے چال چلن اس کے افکار، طریقۂ معیشت و معاشرت اور عبادت، خدا، کائنات اور انسان سے متعلق نظریہ و تصور پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہے ۔

اورعلوم بے پناہ ہیں، جیسے ، دوا سازی و دوا فروشی ،تجارت، اقتصادیات، محاسبہ، ریاضیات، انجینئری و معاری، الکٹرون ، ایٹم ، جراحت، طبابت ، میکانک، فزکس وغیرہ، لوگ آزاد ہیں کہ جہاں بھی انہیں علم ملے اسے حاصل کر لیں، یہاں تک کہ کافر سے بھی حاصل کر سکتے ہیں، کیونکہ علم ایک قسم کا اسلحہ اور طاقت ہے اور مومنین کو چاہئے کہ وہ کافروں اور اپنے دشمنوں سے اسلحہ و طاقت لے لیں ۔ثقافت جیسے اخلاق، عرفان، فلسفہ، فقہ و عقیدہ، دعا، تربیت، تہذیب، طرزمعاشرت اجتماعی معیشت و کردار کے زاوئے اور ادب وغیرہ ۔ ثقافت علم کی مانند نہیں ہے اور نہ ہمارے لئے یہ جائز ہے کہ ہم ثقافت (معرفت) وحی کے سرچشمہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ حاصل کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ثقافت انسان کے چال چلن اور کردار، اس کے طرز فکر، اس کی معیشت ، خدا اور لوگوں اوراپنے نفس اور دوسری چیزوں سے محبت و لگاؤ کی کیفیت پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہے ۔ ثقافت علم کو محدود رکھتی ہے خصوصاً جب علم صالح ثقافت سے متصل نہ ہو۔ ممکن ہے علم تخریب و فساد کا آلۂ کار بن جائے۔ جبکہ ہدایت کرنے اور راہ دکھانے والی ثقافت علم کو لگام لگاتی ہے اور اس سے انسان کی خدمت کے لئے مفید و نفع بخش کام لیتی ہے۔

قرآن مجید، انسان کی زندگی میں ،کتاب(ثقافت و معرفت) ہے، جس کو خدا نے انسان کی فکر و کردار کی ہدایت کے لئے نازل کیا ہے ۔ یہ کتاب علم نہیں ہے، اگر چہ علماء نے قرآن مجید میں فلک ، نجوم ،نباتات ، حیوانات، طب اور فلسفہ سے متعلق بے پناہ علوم پائے ہیں۔ اس کے باوجود قرآن کتابِ ثقافت و ہدایت ہی رہا ۔ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ہم قرآن کے ساتھ کتاب علم کا سا سلوک کریں گویا وہ علم کی کتاب ہے جس کو خدا نے اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگ اس کے ذریعہ فزکس، کیمیا اور نباتات وغیرہ کا علم حاصل کریں۔ بلکہ وہ ثقافت و معرفت کی کتاب ہے، جس کو خدا نے اس لئے نازل کیا ہے کہ وہ ہمیں طرز زندگی، خدا، کائنات اور انسان کی معرفت کا طریقہ، تصور خدا اور تصور کائنات و انسان کی کیفیت بتائے کہ ہم خدا، لوگوں ،اپنے نفسوں اور دوسری اشیاء کے ساتھ کس طرح پیش آئیں اور اشیاء کی بلندیوں اور افکار و افراد کا کیسے اندازہ لگائیں۔

خداوند عالم فرماتاہے: (شَہرُ رَمَضَانَ، الَّذِی أنزِلَ فِیہِ القُرآن، ھُدیٰ لِلنَّاسِ، وَ بَیِّنَاتٍ مِّنَ الھُدیٰ وَ الفُرقَانِ[1]) رمضان کا مہینہ ہی ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے، جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کے ساتھ حق و باطل کے امتیاز کی نشانیاں بھی ہیں۔دوسری جگہ فرماتا ہے : (وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیکُمْ ،وَمَا أنْزَلَ عَلَیکُمْ مِنَ الْکِتَابِ وَالْحِکْمَۃِ یَعِظُکُمْ بِہِ[2]) اور تمہارے اوپر خدا نے جو نعمتیں نازل کی ہیں ان کو یاد کرو اور تمہارے اوپر کتاب و حکمت نازل کی ہے جس کے ذریعہ وہ تمہیں نصیحت کرتاہے۔نیز فرماتا ہے: (ھٰذا بَیَانٌ لِلنَّاسِ وَ ھُدیً وَ مَوعِظَۃٌ لِلمُتَّقِینَ[3]) یہ لوگوں کیلئے ایک بیان ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت و نصیحت ہے ۔ نیزفرماتا ہے : (یَا أیُّھَا النَّاسُ قَد جَاءَکُم بُرھَانٌ مِّن رَّبِّکُم، وَ أنزَلنَا إلَیکُم نُورًا مُبِینًا[4]) اے لوگو!تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آگئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف نور مبین نازل کیا ہے ۔نیز فرماتا ہے :(وَ لَقَد جِءنَاھُم بِکِتَابٍ فَصَّلنَاہُ عَلیٰ عِلمٍ، ھُدیً وَ رَحمَۃً لِقَومٍ یُؤمِنُونَ[5]) ہم تمہارے پاس ایسی کتاب لائے جس کی ہم نے علم کے لحاظ سے تفصیل کی ہے اور یہ ایمان لانے

---

[1] البقرۃ : ۱۸۵
[2] البقرۃ: ۲۳۱
[3] آل عمران : ۱۳۸
[4] سورۃ النساء: ۱۷۴
[5] سورہ الاعراف: ۵۲

الوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے ۔ پھر فرماتا ہے : (هٰذا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَ هُدىً وَ رَحمَةٌ لِقَومٍ يُؤمِنُونَ[1]) یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے دلائل اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے ۔ تو قرآن کتاب ثقافت ہے اور لوگوں کی زندگی میں نور ہے، لوگوں کے لئے دلائل ، ہدایت اور نصیحت ہے اور ہمارے لئے یہ صحیح ہے کہ ہم کسی بھی سر چشمہ سے علم حاصل کر سکتے ہیں ور کسی بھی ذریعہ سے علم حاصل کر سکتے ہیں یہاں تک کہ اپنے دشمنوں سے بھی علم حاصل کر سکتے ہیں لیکن ہمارے لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ ہم معصوم کے سر چشمہ کے علاوہ کسی اور سے ثقافت لیں کہ وہ اس ثقافت کو ہماری طرف وحی کے سر چشمہ سے نقل کرتا ہے کیونکہ ثقافت میں ذرہ برابر بھی خطا مشقت کا باعث ہے جبکہ علم ایسا نہیں ہے ۔

رسولؐ معصوم، سر چشمہ ہیں ان پر وحی نازل ہوتی ہے اور وہ اسے ہم تک پہنچاتے ہیں، رسولؐ کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن رسولؐ نے اپنے اہل بیتؑ کے خلفاء کو ، جو کہ قرآن کے ہم پلہ ہیں، ہمارے درمیان اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے ، اہل بیتؑ نے ثقافت و معرفت کو رسولؐ ہی سے لیا ہے اور معرفت و ثقافت، خدا کے حدود و احکام، حلال و حرام، سنن آداب و اخلاق اور اصول و فروع کی میراث آنحضرتؐ ہی سے پائی ہے اور ان چیزوں میں رسولؐ انہیں اپنے بعد نسلاً بعد نسل مسلمانوں کا مرجع اور قرآن کا ہم پلہ قرر دیا ہے یہاں تک کہ خدا وند عالم انہیں زمین اور روئے زمین کی تمام چیزوں کا وارث بنائیگا اور اس کا ثبوت حدیث ثقلین ہے جو فریقین کے نزدیک صحیح ہے ۔ اس حدیث میں رسولؐ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ میرے بعد تم قیامت تک قرآن اور اہل بیتؑ سے رجوع کرنا اور آنحضرتؐ نے ان دونوں سے تمسک کرنے کو گمراہی و ضلالت سے امان قرار دیا ہے [2] ۔ نص حدیث یہ ہے'' :إنی تارک فیکم الثّقلین کتاب اللہ و عترتی أہل بیتی، و أنّھما لن یفترقا، حتی یردا علیّ الحوض، ما إن تمسکتم بھما لن تضلوا

[1] سوره الاعراف: ۲۰۳

[2] مسلم نے اپنی صحیح میں فضائل صحابہ کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے اور ترمذی نے اپنی صحیح میں ج ۲ ص۳۰۸ ، احمد نے اپنی مسند میں متعدد مقامات پر اس حدیث کو نقل کیا ہے ، دارمی نے اپنی سنن کی ج۲ ص۴۳۱ پر کئی سندوں سے نقل کیا ہے، حاکم نے مستدرک میں اسے متعدد سندوں سے نقل کیا ہے اور شیخین کی شرط پر اسے صحیح قرار دیا ہے. ج۳ ص ۱۰۹ سنن بیہقی ج۲ ص ۱۴۸ ، ج۷ ص۳۰، صواعق محرقہ ص ۸۹، اس نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اصحاب اسد الغابہ ج۲ ص ۱۲، وغیرہ نے بھی اس کو نقل کیا ہے، اس حدیث کی سند بیان کر کے ہم اپنی بات کو طول نہیں دینا چاہتے کیونکہ امر اس سے کہیں زیادہ اہم ہے. اس سلسلہ میں صحیح مسلم و ترمذی ہی کافی ہیں.

بعدی'' ۔ میں تمہارے درمیان دوگرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک کتاب خدا، دوسری میری عترت جو کہ میرے اہل بیتؑ ہیںیہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے جب تک تم ان دونوں سے وابستہ رہوگے اس وقت تک میرے بعد ہر گز گمراہ نہ ہوگے۔ کتابوں میں اس حدیث کے الفاظ ملتے جلتے ہیں، جن سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے الفاظ میں اختلاف ہے اس حدیث کو رسولؐ نے بہت سے موقعوں پر بیان فرمایا ہے انہیں میں سے غدیر خم بھی ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں زید بن ارقم سے نقل ہے،رسول خداؐ نے فرمایا '': مثل أہل بيتي مثل سفينة نوح من ركبها نجا، و من تخلف عنها غرق'' ۔

میرے اہل بیتؑ کی مثال کشتیِ نوح کی سی ہے جو اس پر سوار ہوگیا اس نے نجات پائی اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ ڈوب گیا ۔[1] نیز فرمایا : ''اهل بيتي امان لأمتي من الإختلاف'' ۔ میرے اہل بیتؑ میری امت کے لئے اختلاف سے امان میں رہنے کا باعث ہیں ۔[2] اس کے علاوہ اور بہت سی حدیثیں ہیں جن کی صریح اور واضح دلالت اس بات پر ہے کہ رسولؐ مسلمانوں کو یہ وصیت فرماتے تھے کہ میرے بعد تم میرے اہل بیتؑ سے رجوع کرنا اور اپنے دین کے دستور و معارف انہیں سے لینا، اسی طرح خدا کے بیان کردہ حدود، اس کے نبیؐ کی سنت اور حلال و حرام انہیں سے معلوم کرنا ۔ فیروز آبادی نے اپنی گرانقدر کتاب ''فضائل الخمسة من الصحاح الستة'' میں ان حدیثوں میں سے کچھ حدیثیں بیان کی ہیں، بحث طویل ہو جانے کے خوف سے ہم ان سے چشم پوشی کرتے ہیں ۔بیشک اہل بیتؑ ، مرکز رسالت، ملائکہ کی جائے آمد و رفت، وحی اترنے کی منزل ، علم کے خزینہ دار ،تاریکی میں چراغ، تقوے کی نشانیاں، ہدایت کے امام، انبیاء کے وارث اور دنیا والوں پر خدا کی حجت ہیں ۔ زیارت جامعہ میں وارد ہوا ہے : وہ معروف خدا

[1] اس کو حاکم نے مستدرک ج۲ ص ۳۴۳ پر نقل کیا ہے اور مسلم کی شرط پر اسے صحیح قرار دیا ہے کنز العمال ج۶ ص ۲۱۶ ، مجمع الزوائد ہیثمی ج ۹ ص ۱۸، حلیۃ الاولیاء ابو نعیم ج۴ ص ۳۰۶ ، تاریخ بغداد خطیب : ج ۱۲ ص ۱۹ ، درمنثور سیوطی، سورہ بقرہ کی درج ذیل آیت: و اذ قلنا ادخلوا ہذہ القریۃ فکلوا منہا حیث شئتم، کشف الحقائق ، مناودی ص ۱۳۲، صواعق محرقہ، طبری، فضائل الخمسہ فیروزآبادی ج۲ ص ۶۷ تا ۷۱

[2] مستدرک صحیحین، ج ۳ ص ۱۴۹، اور انھوں نے اس کو صحیح قرار دیا ہے . صواعق محرقہ: ص ۱۱۱۱، مجمع الزوائد ، ہیثمی: ج ۹ ص ۱۷۴، فیض القدیر مناوی ج۶ ص ۲۹۷، کنز العمال متقی: ج۷ ص ۲۱۷، فیروز آبادی فضائل الخمسۃ من الصحاح الستہ ، ج۲ ص ۷۱ تا ۷۳ اس کو بہت سے طریقوں سے نقل کیا ہے.

کے مرکز، حکمتِ خدا کے معادن، کتاب خدا کے حامل، اس کی حجت، اس کی صراط اور اس کا نور و برہان ہیں جیسا کہ زیارت جامعہ میں وارد ہوا ہے ۔ اس صورت میں جو بھی ان سے جدا ہوگا وہ لا محالہ بھٹک جائیگا، خواہ وہ ان سے آگے بڑھ جائے یا ان سے پیچھے رہ جائے کیونکہ خدا کی صراط ایک ہے متعدد نہیں ہے، پھر جو ان کے راستہ پر چلے گا وہ خدا کی طرف ہدایت پائے گا اور جو راہ میں ان سے اختلاف کرے گا وہ اس منزل تک نہیں پہونچ پائیگا جس کو خدا چاہتا ہے، اس بات کا رسولؐ نے کئی موقعوں پر اعلان فرمایا ہے ان میں سے ہم نے ایک حدیث ثقلین میں بیان کیا ہے ۔ جب تک تم ان دونوں سے متمسک و وابستہ رہوگے اس وقت تک گمراہ نہ ہوگے ۔

یہ کوئی اجتہادی مسئلہ نہیں ہے کہ جس میں بعض لوگ ہدایت پا جاتے ہیں اور بعض لوگ بھٹک جاتے ہیں ہدایت یافتہ کو دوہرا ثواب دیتا ہے اور خطا کرنے والے کو ایک ہی دیتا ہے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں ۔ نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد کرنا صحیح نہیں ہے اور رسولؐ نے اس سلسلہ میں نص فرمائی ہے کہ میرے بعد جس چیز میں تمہارے درمیان اختلاف ہو اس میں تم میرے اہل بیتؑ سے رجوع کرنا ۔ زیارت جامعہ میں آیا ہے ۔ ''فالراغب عنکم مارق و اللازم لکم لاحق، و المقصّر في حقّکم زاهق، و الحقّ معکم و فیکم و منکم و الیکم و نتم معدنہ و فصل الخطاب عندکم، و آیات اللّٰہ لدیکم، و نورہ و برہانہ عندکم'' ۔ آپ سے رو گردانی کرنے والا دین سے خارج ہے اور آپ کا اتباع کرنے والا آپ سے ملحق ہے اور آپ کے حق میں کوتاہی کرنے والا مٹ جانے والا ہے، حق آپ کے ساتھ، آپ کے درمیان، آپ سے اور آپ کے لئے ہے، اور آپ حق کے معدن ہیں، فصل خطاب آپ کے پاس ہے، ۔خدائی آیتیں آپ کے پاس ہیں، اور اس کا نور و برہان آپ کے پاس ہے ۔ پس جو شخص خدا کی رضا، اس کا طریقہ، اس کی ہدایت اور اس کا راستہ چاہتا ہے وہ لا محالہ انہیں سے لے گا اور انہیں کے راستہ پر چلے گا، کیونکہ اہل بیتؑ خدا کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف نہیں بلاتے ہیں اور نہ غیر کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اسی زیارت میں وارد ہوا ہے '' : الیٰ اللّٰہ تدعون، و علیہ تدلون و بہ تؤمنون، و لہ تسلمون، و بأمرہ تعلمون، والیٰ سبیلہ ترشدون، و بقولہ تحکمون، سعد من والاکم، و ھلک من عاداکم، و خاب من جحدکم، و ضلّ من فارقکم، و فاز من تمسک بکم، و امن

من لجأ الیکم، و سلم من صدقکم، و هدی من اعتصم بکم''۔آپ خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں، اسی کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور اسی پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سامنے سراپا تسلیم ہیں اور اس کے امر کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اس کے راستہ کی طرف ہدایت کرتے ہیں اور اس کے قول کے موافق حکم دیتے ہیں، جس نے آپ سے محبت کی اس کی قسمت سنور گئی اور جس نے آپ سے دشمنی کی وہ ہلاک ہوگیا، جس نے آپ کا انکار کیا وہ گھاٹے میں رہا اور جس نے آپ کو چھوڑ دیا وہ گمراہ ہوگیا اور جس نے آپ سے تمسک کیا وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے آپ کے پاس پناہ لے لی وہ محفوظ رہا، جس نے آپ کی تصدیق کی وہ صحیح وسالم رہا اور جس نے آپ کا دامن تھام لیا وہ ہدایت پا گیا۔

طاعت و تسلیم

طاعت و تسلیم ولاء کا جوہر ہے ۔اگر بر محل طاعت ہوتی ہے تو اس کی بڑی قیمت ہے اور اگر اپنی جگہ نہ ہو تو اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، عصیان و سرکشی اور انکار کی بھی قیمت ہوتی ہے جب کہ ان کا تعلق شیطان سے ہے ،لیکن اگر ان کا تعلق خدا کے رسول، اہل بیتؑ اور مسلمانوں کے صاحبانِ امر سے ہو تو یہ قیمت کی ضد قرار پائیں گے۔چنانچہ سورۂ زمر کی آیت ۱۷ میں ان دونوں قیمتوں کو جمع کر دیا گیاہے ۔ ارشاد ہے (: وَ الَّذِیْنَ اجْتَنَبُواْ الطَّاغُوتَ أَن یَعْبُدُوهَا ،وَ أَنَابُوا إِلیٰ اللّٰہِ لَهُمُ الْبُشْرىٰ)اور جو لوگ طاغوت کی پرستش کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور خدا سے لولگاتے ہیں ان کے لئے بشارت ہے،اور سورۂ نحل میں ارشاد ہے:(أَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ[1]) تم خدا کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔طاعت و عبادت، انکار و اجتناب ایک چیز ہے اور خدا نے ہمیں اپنی، اپنے رسولؐ کی اور رسولؐ کے بعد اولی الامر کی طاعت کا حکم دیا ہے: (أَطِیْعُوا اللّٰہَ وَأَطِیْعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ)دوسری طرف ہمیں شیطان وطاغوت کی نافرمانی کرنے اور اس کے انکار کرنے کا حکم دیا ہے ۔ (یُرِیْدُونَ أَن یَتَحَاکَمُوا إِلیٰ الطَّاغُوتِ وَقَد أُمِرُوا أَن یَکْفُرُوا بِہِ[2]) وہ لوگ طاغوت کو اپنا حاکم بنانا چاہتے ہیں جبکہ انہیں اس کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔اور رسولؐ کے بعد ائمہ اہل

---

[1] النحل: ۳۶
[2] النساء: ۶۰

بیتؑ ہی اولی الامر ہیں لہذا ان کی طاعت واجب ہے اور جو وہ حکم دیں اس کو بجالانا فرض ہے'' : فھم ساسۃ العباد و أرکان البلاد و ھم حجج اللہ علیٰ أھل الدنیا ''وہ بندوں کے سر براہ اور شہروں کے ارکان اور وہ دنیا والوں پر خدا کی حجتیں ہیں۔توحید میں طاعت ہم ہر طریقہ سے اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ طاعت صرف خدا سے مخصوص ہے اور اس کے اذن و حکم کے بغیر کسی کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔ رسولؐ اور ان کے اہل بیتؑ کی طاعت در حقیقت خدا ہی کی طاعت ہے ۔

''من أطاعکم فقد أطاع اللہ و من عصاکم فقد عصی اللہ ''جس نے آپ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے آپ کی نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ تسلیم طاعت کے مصداق میں سے ایک تسلیم ہے،یعنی مکمل طور پر خود کو سپرد کر دینا، کسی بات کا انکار نہ کرنااور کسی بات پر اعتراض نہ کرنا۔ اور تسلیم کا بلند ترین مرتبہ دلوں کا جھکنا ہے ۔ ''مسلم فیہ معکم و قلبی لکم مسلم و راءي لکم تبع '' سر تسلیم کرنے والا ہوں میرا دل آپ کے لئے جھکا ہوا ہے اور میری رائے آپ کی تابع ہے ۔ ''سلم لمن سالمکم و حرب لمن حاربکم ''میں اس سے صلح کروں گا جس سے آپ کی صلح ہے اور اس سے جنگ کروں گا جس سے آپ کی جنگ ہوگی۔

صلح و جنگ تولا و تبرا کے دورخ ہیں، صرف تولا کرنا صاحبان امر کے سامنے تسلیم ہونا نہیں ہے،بلکہ اس کے دو پہلو ہیں اور وہ یہ ہیں: میں اس سے صلح کروں گا جس سے آپ کی صلح ہوگی اوراس کا تعلق صرف آپ ہی سے نہیں ہے اور اس سے جنگ کروں گا جس سے آپ کی جنگ ہوگی۔یہ جملہ تولا اور تبرا کا بہت ہی نازک و دقیق مفہوم ہے۔ ''سلم لمن سالمکم و حرب لمن حاربکم '' ولاء و برائت کا دقیق جملہ صلح اور جنگ کے بارے میں معاشرہ کے سامنے ایک نیا سیاسی نقشہ پیش کرتا ہے ، حرب یعنی جدائی اور بیزاری،اس کو جنگ نہیں کہہ سکتے کیونکہ افتراق وبیزاری اور قتال میں فرق ہے۔

کیونکہ ہمارا اجتماعی لگاؤ سیاسی و مادی مصلحتوں کی بنا پر وجود میں نہیں آ سکتا وہ تو بس تولا و تبرا ہ سے منظم ہو سکتا ہے ، کبھی ہم اپنے خاندان اور ہمسایوں سے قطع تعلقی کر لیتے ہیں اور ان لوگوں سے اتصال و روابط رکھتے ہیں جو کہ زمان و مکان کے اعتبار سے بہت

دور ہیں۔ زیارت عاشورہ میں آیا ہے'': إنّي سلم لمن سالمكم و حرب لمن حاربكم و وليّ لمن والاكم و عدو لمن عاداكم ''میں اس سے صلح کروں گا جس سے آپ صلح کریں گے اور اس سے جنگ کروں گا جس سے آپ کی جنگ ہوگی میں اس سے دوستی کروں گا جو آپ کا دوست ہوگا اور اس سے دشمنی کروں گا جو آپ کا دشمن ہوگا۔

عمار کی سند سے علیؑ کے بارے میں رسولؐ کا یہ قول نقل ہوا ہے'': إنه مني و أنا منه...حربه حربي و سلمه سلمي و سلمي سلم الله ''وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں... اس کی جنگ میری جنگ ہے، اس کی صلح میری صلح ہے اور میری صلح خدا کی صلح ہے۔ ترمذی نے اپنی صحیح میں زید بن ارقم سے روایت کی ہے: رسولؐ نے علیؑ،فاطمہؑ، حسن و حسینؑ سے فرمایا'':أنا حرب لمن حاربتم و سلم لمن سالمتم''[1]۔ میں اس سے جنگ کروں گا جس سے تمہاری جنگ ہوگی اور اس سے صلح کروں گا جس سے تمہاری صلح ہوگی۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا'':أنا سلم لمن سالمكم و حرب لمن حاربتم[2]''۔ میں اس سے صلح کروں گا جس سے تمہاری صلح ہوگی اور میں اس سے جنگ کروں گا جس سے تمہاری جنگ ہوگی۔

اسی کو حاکم نے مستدرک الصحیحین میں اورابن اثیر جزری نے اسد الغابہ میں نقل کیا ہے[3]۔ متقی نے کنز العمال میں[4] نقل کیا ہے۔ سیوطی نے در منثور میں آیۂ تطہیر-سورۂ احزاب-کی تفسیر میں اور ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس کو نقل کیا ہے[5]۔یہ جنگ و صلح، یا قطع تعلقی اور رسم و راہ باقی رکھنے میں اتحاد کے معنی ہیں کیونکہ اہل بیتؑ کی جنگ در حقیقت رسولؐ کی جنگ ہے اور ان کی صلح رسولؐ کی صلح ہے اور رسولؐ کی جنگ و صلح خدا کی جنگ اور صلح ہے اسی طرح تولا اور تبرا کے تمام مفردات توحید کے تحت آتے ہیں۔ مدد اور انتقا مولاء بہت سخت مسئلہ ہے، صلح میں، ناچاقی میں، کشائش و تنگی میں ساتھ رہنا بہت دشوار ہے اگر صرف کشائش میں ہوتا تو

---

[1] صحیح ترمذی: کتاب المناقب باب ۱۶، فضل فاطمہ بنت محمد: ج۲ ص ۳۱۹ طبع ۱۲۹۲

[2] سنن ابن ماجہ مقدمہ باب ۱۱ ص ۱۴۵

[3] مستدرک حاکم نیشاپوری: ج ۱۳ ص ۱۴۹، کتاب معرفۃ الصحابہ مبغض اہل البیت یدخل النار و لوصام و صلی. اہل بیت سے دشمنی رکھنے والا جہنم میں جائے گا خواہ اس نے روزہ رکھا ہو اور نماز پڑھی ہو.

[4] کنز العمال: ج۶ ص ۲۱۶

[5] مجمع الزوائد : ج۹ ص ۱۶۹، مذکورہ حوالے فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ ، فیروزآبادی: ج۱ ص ۳۹۶ تا ۳۹۹ سے نقل کئے گئے ہیں.

ولاء کا مسئلہ آسان ہو جاتا اور پھر اس سخت ولاء کا اقضا مدد کرنا اور انتقام لینا بھی ہے اور اگر مدد نہ کی جائے تو ولاء ہی ختم ہو جائے گی خدا وند عالم کا ارشاد ہے: (وَالَّذِینَ آوَوْا وَ نَصَرُوا أُولٰئِکَ بَعضُهُم أَولِیاءُ بَعضٍ[1]) اور جن لوگوں نے پناہ دی اور نصرت کی وہ ایک دوسرے کے سرپرست و ولی ہیں۔اسی طرح ولاء ایک حق ہے جو خون خواہی اور انتقام سے جدا نہیں ہو سکتا۔ بیشک جو ولاء اپنے حامل کو جنگ و قتل، قطع تعلقی، روابط اور نفع وضرر پر نہ ابھارے در حقیقت وہ ولاء نہیں ہے، بلکہ وہ ولاء کی صورت ہے ۔

زیارت عاشورہ میں ہم یہ تمنا کرتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں پاک خونوں کا انتقام لینے والوں میں قرار دے جو کہ ظلم و ستم سے کربلا میں بہائے گئے۔ '

'فأسأل اللہ الذی اکرم مقامک و اکرمني بک ان یرزقني طلب ثارک مع امام منصور من اہل بیت محمدؐ '' ۔پس میں خدا سے سوال کرتا ہوں کہ جس نے آپ کے مرتبہ کو بلند کیا اور آپ کے ذریعہ مجھے عزت بخشی کہ وہ مجھے محمدؐ کے اہل بیتؑ میں امام منصور کے ساتھ آپ کے خون کا بدلہ لینے والا قرار دے۔زیارت عاشورہ ہی میں ہے '': واسألہ أن یبلّغنی المقام المحمود لکم عند اللہ، و أن یرزقني طلب ثارکم مع إمام هدی ظاهر ناطق بالحق منکم ''میں اس سے سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس مقام محمود تک پہنچا دے جو خدا کے نزدیک آپ کا مقام و مرتبہ ہے اور مجھے آپ میں سے ہادی، ظاہر اور حق کے ساتھ بولنے والے امام کے ساتھ انتقام لینے والا قرار دے۔اور زیارت جامعہ میں مکمل طور پر مدد کرنے کی طاقت کا اعلان کرتے ہیں، و نصرتی لکم معدّة، اور میری مدد آپ کے لئے تیار و حاضر ہے ۔ محبت و مودتیہ ولاء اہل بیت کی بنیاد ہے۔اس سلسلہ میں قرآن مجید میں آیت نازل ہوئی ہے جو ہر زمانہ میں لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہے ۔ (قُل لَا أَسئَلُکُم عَلَیهِ أَجرًا إِلَّا المَوَدَّةَ فِی القُربیٰ[2]) رسولؐ ان سے کہد یجئے کہ میں تم سے تبلیغ رسالت کا کوئی اجر

---

[1] انفال: ۷۲۔

[2] سورہ شوریٰ آیت ۲۳، دلائل الصدق ج۲ ص ۱۲۰ تا ۱۲۶ طبع قاہرہ میں ہے کہ یہ آیت اہل بیت کی شان میں نازل ہوئی ہے، نیز الغدیر، ج ۲ ص ۳۰۶ تا ۳۱۰، اور ج ۳ صKl تہران.
''أحبونی بحب اللّٰہ و احبوا أہل بیتی بحبی ''
خدا کی محبت کے سبب مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کے سبب میرے اہل بیتؑ سے محبت کرو۔
دوسرے جملہ کے بارے میں زیارت جامعہ میں وارد ہوا ہے

نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ تم میرے قرابتداروں سے محبت کرو۔قرابتداروں سے مراد، بلا اختلاف رسولؐ کے اہل بیتؑ ہی ہیں۔اس واجب محبت کی طرف زیارت جامعہ میں وارد نص بھی اشارہ کر رہی ہے''؛ ولکم المودۃ الواجبۃ و الدرجات الرفیعۃ[1]'' آپ کے لئے واجب محبت اور آپ کے لئے بلند درجات ہیں۔طاعت اور محبت ہی ولاء کی روح یا اور اس کا جوہر ہیں، امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا گیا :کیا محبت دین کا جزء ہے ؟امامؑ نے فرمایا :کیا دین محبت کے علاوہ کچھ اور ہے ،اگر انسان پتھر سے بھی محبت کرے گا تو خدا اس کو اسی کے ساتھ محشور کرے گا۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ محبت کا تعلق مقولۂ توحید سے ہے۔پس جو شخص خدا سے محبت کرتا ہے وہ رسولؐ سے بھی محبت کرتا ہے اور ان کے اہل بیتؑ سے بھی محبت کرتا ہے اور جو رسولؐ اور آپ کے اہل بیتؑ سے محبت کرتا ہے وہ خدا سے بھی محبت کرتا ہے ۔ پہلے جملہ کے بارے میں رسولؐ سے منقول ہے'' :من أحبکم فقد أحب اللّٰہ و من أبغضکم فقد أبغض اللّٰہ'' جس نے آپ سے محبت کی در حقیقت اس نے خدا سے محبت کی اور جس نے آپ سے عداوت رکھی اس نے خدا سے عداوت کی ۔اسی طرح جو شخص خدا سے محبت کرتا ہے وہ مومنوں سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ خدا سے محبت کرتے ہیں اور جو مومنین سے محبت کرتا ہے وہ لا محالہ خدا سے محبت کرتا ہے ۔خدا کی محبت اس بات کا باعث ہوتی ہے کہ نفسِ انسان میں محبت کے درجات کو بلند و قوی کردے، ضروری ہے کہ انسان کی حیات میں یہی محبت حاکم رہے تاکہ انسان خداکے علاوہ اور راہ خدا کے علاوہ کسی سے محبت نہ کرے۔ پہلے نکتہ کے بارے میں خدا فرماتا ہے:(قُل إن کَانَ آبَاؤکُم وَ أبنَاؤکُم...أَحَبَّ إلیکُم مِن اللّٰہِ وَ رَسُولِہِ وَ جِہَادٍ فِي سَبِیلِہِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّی یَأتِيَ اللّٰہ بأمرِہ، وَاللّٰہ لا یَہدِي القَومَ الفَاسِقِین[2]) اے رسول کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے تمہیں خدا و رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب و عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ خدا کا حکم

[1] یہ فقرہ زیارت جامعہ میں دوبار وارد ہوا ہے
[2] توبہ: ۲۴۔

آجائے اور خدا بدکاروں کی ہدایت نہیں کرتا ہے ۔دوسری جگہ ارشاد ہے): وَ الَّذِینَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًا لِلّٰهِ[1]) اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خدا سے محبت میں شدید ہیں۔اور دعا میں وارد ہوا ہے'': اللهم اجعل حبك أحب الأشياء إلي، و اجعل خشيتك أخوف الأشياء عندي، و اقطع عنيحاجات الدنيا بالشوق الى لقائك''اے اللہ! اپنی محبت کو میرے نزدیک تمام اشیاء کی محبت سے زیادہ کر دے اور اپنی خشیت کو میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ خوفناک قرار دے اور اپنی ملاقات کے شوق کے ذریعہ دنیا کی حاجتوں کو مجھ سے بر طرف کر دے ۔دوسرے نکتہ کے بارے میں تو رسولؐ اور ان کے اہل بیت سے وارد ہونے والی بہت سی حدیثوں میں نص وارد ہوئی ہے ۔ ان ہی میں سے وہ حدیث بھی ہے جس کو امام محمد باقرؑ نے رسولؐ سے نقل کیا ہے:

''ألا و احب فی اللہ و ابغض فی اللہ و أعطیٰ فی اللہ ، و منع في اللہ، فھو من أصفیاء اللہ المؤمنین عند اللہ، ألا و أن المؤمنین إذا تحابا فی اللہ عز و جل، و تصافیا فی اللہ کانا کالجسد إذا اش تکی أحدھما من جسدہ موضعا، وجد الآخر ألم ذلک الموضع''دیکھو! جس نے خدا کے لئے محبت کی اور جس نے خدا کے لئے دشمنی کی اور خدا کے لئے دیا اور خدا کے لئے منع کیا تووہ خدا کے برگزیدہ و منتخب بندوں میں سے ہے جو خدا کے نزدیک مومن ہیں اور دیکھو جب دو مومن خدا کے لئے محبت کرتے ہیں اور خدا کے لئے ایک دوسرے سے خلوص رکھتے ہیں تو وہ دونوں ایک بدن کی مانند ہو جاتے ہیں اگر دونوں میں سے کسی کے بدن میں کہیں تکلیف اور درد ہوتا ہے تودوسرا اپنے بدن میں اسی جگہ درد محسوس کرتا ہے ۔ محبت کی دو قسمیں ہیں،ایک سادہ اور ہلکی پھلکی محبت اوردوسری سوچ و سمجھ کر محبت کرنا یہ خدا کی محبت کے تحت ہوتی ہے ،پہلی محبت کا تاریخ میں کوئی وقار نہیں اور نہ ہی انسان کی زندگی اور اس کی سر نوشت میں اس کاکوئی اثر ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک قسم کی خواہش ہوتی ہے جو انسان کے اندر پیدا ہوجاتی ہے ،ہاں وہ محبت جو خدا کی محبت کے تحت ہوتی ہے یہ وہی محبت ہے جس کو مودت اہل بیت کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں ان کی محبت دوسری ہی چیز ہے وہ سادہ محبت نہیں ہے ،یہ ایسی محبت نہیں ہے جس کا انسان اپنی زندگی میں تجربہ کرتا ہے یہ وہ محبت ہے جوخدا کی محبت کے

[1] بقرہ: ۱۶۵

تحت ہوتی ہے، اس محبت کی علامتیں اور خصلتیں مشہور اور نمایاں ہیں ۔اس محبت کی پہلی خصلت یہ ہے کہ یہ تبریٰ سے جدا نہیں ہوتی ہے ہر محبت کے ساتھ کچھ عداوت و بغض بھی ہوتا ہے اور ہر خوشی کے ساتھ ناراضگی و غضب بھی ہوتا ہے اور ہر تولا کے ساتھ تبریٰ ہوتا ہے اور جو محبت عداوت و بغض کے ساتھ جمع ہوتی ہے وہ سادہ اور ہلکی پھلکی محبت ہے ۔ایک شخص امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا : میں آپ سے بھی محبت کرتا ہوں اور آپ کے مخالف و مد مقابل سے بھی محبت کرتا ہوں ۔ آپ نے فرمایا : اس صورت میں تم کانے ہو (تمہیں آدھا نظر آتا ہے) یا تم اندھے ہو یا دیکھتے ہو ۔ زیارت میں وارد ہوا ہے ''موال لکم ولأولیائکم و مبغض لأعدائکم و معاد لھم '' میں آپ کا دوست ہوں اور آپ کے دوستوں کا دوست ہوں آپ کے دشمنوں سے نفرت کرتا ہوں اور ان کا دشمن ہوں ۔

اس محبت کی دوسری خصلت : یہ محبت لوگوں کی محبت کے تحت ہوتی ہے بالکل ایسے ہی جیسے پہلی محبت خدا کی محبت کے تحت ہوتی ہے کیونکہ راہ خدا میں محبت کرنے کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اس میں خود اہل بیتؑ سے بھی محبت ہوتی ہے اور ان کے دوستوں سے بھی محبت ہوتی ہے ۔ ''موال لکم ولأولیائکم '' یہ ممکن نہیں ہے کہ انسان کسی سے خدا کے لئے محبت کرے اور اس سے محبت نہ کرے کہ جس سے محبوب خدا کے لئے محبت کرتا ہے ۔اس محبت کی تیسری خصلت : یہ جنگ و صلح کے موقعہ پر عملی صورت اختیار کر لیتی ہے ، ''سلم لمن سالمکم و حرب لمن حاربکم ''چوتھی خصلت : محبت خدا کے لئے ہوتی ہے اور عداوت بھی خدا کے لئے ہوتی ہے ،یہ دونوں اجتماعی لگاؤ کا کامل نقشہ کھینچتے ہیں ۔ اثبات و ابطال اہل بیتؑ سے محبت کرنے میں یہ واجب ہے کہ ہم ان کی ثقافت اور ان کے معارف سے دفاع کریں، جس کا انہوں نے اثبات کیا ہے اس کا ہمیں اثبات کرنا چاہئے اور جس کا انہوں نے ابطال کیا ہے ہمیں اس کا ابطال کرنا چاہئے کیونکہ تاریخ اہل بیتؑ میں ثقافتی اور علمی روایتوں پر دشمنوں نے ہر چیز سے زیادہ حملے کئے ہیں چنانچہ فقہائے اہل بیتؑ اور ان کے مکتب کے علماء نے ان کے معارف و ثقافت، ان کی فقر اور ان کی اسلام شناسی سے دفاع کیا ہے ۔اس دائرہ میں اثبات و ابطال بھی ہے جو کہ جہاد و جنگ اور صلح و قطع تعلقی کے میدان میں ہوتا ہے ،

زیارت جامعہ میں آیا ہے'': سلم لمن سالمکم و حرب لمن حاربکم، محقق لما حققتم، مبطل ما أبطلتم''۔جس سے آپ کی صلح ہوگی میں اس سے صلح کروں گا اور جس سے آپ کی قطع تعلقی ہوگی میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ جو آپ نے ثابت کیا ہے میں اسی کو ثابت کروں گا اور جس کو آپ نے باطل قرار دیا ہے میں اس کو باطل قرار دونگا۔ میراث و انتظار کوئی زمانہ ایسا نہیں تھا جس میں ولاء نہ رہی ہو اور یہ مستقبل میں بھی رہے گی،تاریخ کے آغاز سے، حضرت آدمؑ اور حضرت نوح سے لے کر تاریخ کی انتہاء تک ولاء رہے گی یہاں تک کہ آل محمدؐ میں سے حضرت مہدی عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف ظہور فرمائیں گے اور زمین کو عدل و انصاف سے پر کریں گے اور زمین کو ظالموں کے تسلط سے آزاد کرا لیں گے تاکہ خدا کا وہ وعدہ پورا ہو جائے جو اس نے توریت و زبور میں کیا ہے۔ (وَلَقَد کَتَبْنَا فِی الزَّبُورِ مِن بَعدِ الذِّکرِأنَ الأَرضَ یَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُون[1]) ہم نے توریت کے بعد زبور میں یہ لکھ دیا ہے کہ زمین خدا کی ہے ہم اس کو اپنے نیک بندوں کو عطا کریں گے۔

یہ توریت و زبور میں خدا کا وعدہ ہے اور تاریخ میں ہے کہ اہل بیتؑ نے انبیاء اور صالحین سے میراث پائی ہے،ان سے نماز و ذکر، زکواۃ ،حج اور خدا کی طرف بلانے کی میراث پائی ہے ۔زیارت امام حسینؑ (زیارت وارث) میں اس علمی و ثقافتی اور جہادی میراث کو امام حسینؑ سے مخصوص کیا گیا ہے جو کہ آپ کو انبیاء سے ملی ہے،یہ زیارت تہذیبی اور علمی مفاہیم کی حامل ہے ۔ ''السلام علیک یا وارث آدم صفوۃ اللہ ،السلام علیک یا وارث نوح نبي اللہ،السلام علیک یا وارث إبراھیم خلیل اللہ،السلام علیک یا وارث موسیٰ کلیم اللہ،السلام علیک یا وارث عیسیٰ روح اللہ''...اے آدم کے وارث آپ پر سلام،اے نبیِ خدا نوح کے وارث آپ پر سلام، اے خلیلِ خدا ابراہیم کے وارث آپ پر سلام ،اے کلیمِ خدا موسیٰ کے وارث آپ پر سلام اے روح خدا عیسیٰ کے وارث آپ پر سلام...یہ میراث طول تاریخ میں آدم و نوح سے لے کر رسولؐ خدا اور علی مرتضیٰؑ تک جاری رہی۔امام حسینؑ نے کربلا میں روز عاشورہ اس علمی ،ثقافتی، تہذیبی اور جہادی میراث کو مجسم کر دیا ،ولایت کی تاریخ بہت عمیق ہے ،تاریخ میں اس کی جڑیں

---

[1] انبیاء: ۱۰۵

گہری ہیں، اہل بیتؑ نے انبیاء سے نیک و طویل راستہ میراث میں پایا ہے اور ہم نے ان سے ان کی میراث پائی ہے ۔ ہم نے ان سے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ، نیکیوں کی ہدایت کرنا، برائیوں سے روکنا، جہاد، خدا کی طرف بلانا، اور ان سے ذکر و اخلاص اور توحید کے تمام اقدار کی میراث پائی ہے ،چنانچہ ہم خدا کے اس قول (فَخَلَفَ مِن بَعدِہِم خَلف أضَاعُواْ الصَّلَاۃَ) پس ان کے بعد وہ لوگ جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا، ہم نماز کی حفاظت کرتے ہیں اور اسے قائم کرتے ہیں، لوگوں کو اس کی طرف بلاتے ہیں، بالکل اس طرح جیسا کہ پہلے ہمارے بزرگوں نے حفاظت کی ہے، انشاء اللہ ہم ان لوگوں میں قرار پائیں جو خدا کے اس قول پر عمل کرتے ہیں: (وَأمُر أھلَکَ بِالصَّلَاۃِ وَ اصطَبِر عَلَیہَا) اپنے خاندان والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی ادا کرتے رہو۔

چنانچہ ہم اپنے معاشرہ اور اپنے خاندان میں خدا کی اس عظیم میراث کی حفاظت کرتے ہیں کہ جس کو ہم نے اپنے بزرگوں سے نسلاً بعد نسل میراث میں پایا ہے۔یہ ہے طول تاریخ میں ولاء کا سلسلہ اور زمانۂ آئندہ میں ولایت کا سلسلہ ہے، جس کے لئے ہم آل محمدؐ میں سے امام مہدیؑ کے ظہور کے منتظر ہیں اور ان کے ظہور کے ساتھ کشائش و کامیابی کے منتظر ہیں اور اس عالمی انقلاب کے منتظر ہیں جس کی خدا نے ہمیں اپنی کتاب میں اور اس سے پہلے توریت و زبور میں خبر دی ہے ۔ (وَلَقَد کَتَبنَا فِی الزَّبُورِ مِن بَعدِ الذِّکرِ أنَّ الأرضَ یَرِثُہَا عِبَادِیَ الصَّالِحُون)ہم نے توریت کے بعد زبور میں یہ لکھ دیا ہے کہ زمین کی میراث صالح بندے پائیں گے۔ انتظار کے معنی منفی و سلبی نہیں ہیں جیسا کہ لوگ چاند و سورج گہن لگنے کا انتظار کرتے ہیں بلکہ انتظار کے معنی مثبت ہیں جیسا کہ انتظار سے متعلق حدیثوں سے سمجھ میں آتا ہے ، اور وہ سیاسی، ثقافتی اور عملی تیاری تاکہ ظہور مہدی اور روئے زمین پر آنے والے عظیم انقلاب کے لئے راہ ہموار کریں۔انتظار کے معنی اس مثبت مفہوم کے لحاظ سے، نیک باتوں کا حکم دینا، بری باتوں سے روکنا، خدا کی طرف بلانا، ظالموں سے جہاد کرنا، کلمۃ اللہ کو بلند کرنا اور روئے زمین پر خدائی تہذیب و ثقافت کو نشر کرنا، نماز قائم کرنا اور بہت سی چیزیں ہیں جو کائنات میں آنے والے انقلاب کی راہ ہموار کرتی ہیں۔یہ ہے ولاء کا مستقبل اسی کی طرف زیارت جامعہ میں اشارہ کیا گیا ہے، منتظر ''لأمرکم مرتقب لدولتکم...حتی یحیی اللہ تعالیٰ دینہ بکم، و یردکم فی أیامہ، و یظہرکم لعدلہ، و یمکنکم فی أرضہ''۔

آپ کے امر کا منتظر ہوں،آپ کی حکومت کی طرف آنکھ لگائے ہوئے ہوں۔یہاں تک کہ خدا آپ کے ذریعہ اپنے دین کو زندہ کرے اور آپ کو اپنے زمانہ میں واپس لائے اور اپنے عدل کے لئے آپ کو غالب کر دے اور اپنی زمین پر آپ کو قدرت عطا کر دے۔ آخری لفظ سورہ قصص کی ابتدائی آیتوں کی طرف اشارہ ہے:(وَ نُرِيدُ أن نَمُنَ عَلىٰ الَّذِين اسْتُضْعِفُوا فِي الأَرضِ وَ نَجْعَلَهُم أَءِمَّةً وَ نَجْعَلَهُمُ الوَارِثِين، وَ نُمَكِّن لَهُم فِي الأَرضِ)ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو زمین پر کمزور کر دیا گیا ہے اور انہیں امام بنائیں اور انہیں وارث قرار دیں اور زمین پر انہیں قدرت عطا کر دیں۔اور یہ انتظار، عمل، جد و جہد، صبر و مقاومت، تعمیر، دین خدا کے لئے زمین ہموار کرنے کی کوشش، روئے زمین پر حکومت خدا کے قائم کرنے کے لئے لوگوں کو حاضر کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے نیز:لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیں،نیک باتوں کا حکم دیں،بری باتوں سے روکیں، باطل سے جنگ کریں اور کفر کے سر غناؤں سے جہاد کریں۔

اب ہم آپ کے سامنے دعائے ندبہ کے کچھ جملے پیش کرتے ہیں،جس کو پڑھ کر مومنین،اپنے امامؑ کے فراق اور ان کی کشائش کے انتظار میں آہ و زاری کرتے ہیں۔ ''أين بقية الله التي لا تخلو من العترة الهادية؟کہاں ہے وہ بقية الله جس سے ہدایت کرنے والی عترت رسولؐ سے دنیا خالی نہیں ہو سکتی ۔أين المعد لقطع دابر الظلمة؟کہاں ہے وہ جس کو ظلم کی جڑ کاٹنے کے لئے مہیا کیا گیا ہے ۔ أين المنتظر لاقامة الامت و العوج؟ اين المرتجىٰ لازالة الجور و العدوان؟کہاں ہے وہ جس کا انتظار کجی نکالنے اور انحراف کو درست کرنے کے لئے کیا جا رہا ہے ۔ کہاں ہے وہ جس سے ظلم و جور کو دفع کرنے کی امیدیں کی جارہی ہیں۔أين المدخر لتجديد الفرائض و السنن؟کہاں ہے وہ جس کو فرائض و سنن کی تجدید کے لئے ذخیرہ کیا گیا ہے۔أين المتخذ[1] لإعادة الملّة و الشريعة؟ کہاں ہے وہ جس کو مذہب و شریعت کو لوٹانے کے لئے منتخب کیا گیا ہے ۔أين المؤمّل لأحياء الكتاب و حدوده؟کہاں ہے وہ کہ جس

[1] اکثر نسخوں میں (أين المتخيّر) آیا ہے.

سے کتاب خدا اور اس کے حدود کو زندہ کرنے کی امید ہے۔أین محیي معالم الدین و أہلہ؟کہاں ہے دین اور دینداروں کو زندگی دینے والا۔أین قاصم شوکۃ المعتدین؟کہاں ہے ستمگاروں کی کمر توڑنے والا۔

أین ہادم أبنیۃ الشرک و النفاق؟کہاں ہے شرک و نفاق کی بنیادیں اکھاڑنے والا۔

أین مبید أہل الفسوق و العصیان و الطغیان؟کہاں ہے فاسق و عاصی اور سرکشوں کو ہلاک کرنے والا۔

أین قاطع حبائل الکذب و الإفتراء؟کہاں ہے جھوٹ و افتراء کی رسیوں کو کاٹنے والا ۔

أین مبید العتاۃ و المردۃ، و مستأصل أھل الفساد و التضلیل و الإلحاد؟کہاں ہے اختلاف کی شاخیں تراشنے والا، کہاں ہے انحراف و خواہشات کے آثار کو مٹانے والا،، کہاں ہے سرکشوں اور باغیوں کو ہلاک کرنے والا، کہاں ہے عناد و الحاد و گمراہی کے سرغناؤں کو جڑ سے اکھاڑنے والا ۔

أین معزّ الأولیاء و مذلّ الأعداء؟کہاں ہے دوستوں کو عزت دینے والا اور دشمنوں کو ذلیل کرنے والا۔

أین جامع الکلمۃ علیٰ التقویٰ؟کہاں ہے سب کو تقوے پر جمع کرنے والا۔

أین باب اللہ الذی منہ یؤتیٰ؟کہاں ہے وہ باب خدا کہ جس سے اس کی بارگاہ میں حاضر ہوا جاتا ہے۔

أین صاحب یوم الفتح و ناشر رایۃ الھدیٰ؟کہاں ہے چہرۂ خدا کہ جس کی طرف دوست رخ کرتے ہیں،کہاں ہے وہ سبب جو زمین و آسمان کا اتصال قائم کرتا ہے،کہاں ہے وہ جوروز فتح کا مالک اور پرچم ہدایت کا لہرانے والا .أین مؤلف شمل الصلاح و الرضا؟ کہاں ہے وہ جو نیکی و رضا کے منتشر اجزا کو جمع کرنے والا ہے۔

أین الطالب بذحول الأنبیاء و أبناء الأنبیاء؟کہاں ہے انبیاء اور اولاد انبیاء کے خون کا بدلہ لینے والا۔

أين الطالب بدم المقتول بكربلا ؟کہاں ہے شہید کربلا کے خون کا مطالبہ کرنے والا۔

أين المنصور علیٰ من اعتدی علیہ و افتریٰ؟کہاں ہے وہ کہ جس کی ہر ظالم اور افترا پرداز کے مقابلہ میں مدد کی جائے گی۔

أين المضطر الذی یجاب اذا دعیٰ؟کہاں ہے وہ مضطر کہ جس کی دعا متجاب ہے خواہ جب بھی کرے۔

أين صدر الخلائق ذو البرّ و التقویٰ؟کہاں ہے ساری مخلوقات کا سر براہ، صاحب صلاح و تقویٰ۔

أين ابن النبیّ المصطفیٰ و ابن عليّ المرتضیٰ و ابن خدیجۃ الغراء و ابن فاطمۃ الکبریٰ؟کہاں ہے فرزند رسول مصطفی، پسر علی مرتضیٰ، نور نظر خدیجہ اور لخت جگر فاطمہ[1]۔ انتظار،آہ و زاری ،نالہ و شیون اورامر بالمعروف، نہی عن المنکر،اور امام مہدیؑ کے ظہور و قیام اور آپ کی کشائش کے لئے زمین ہموار کرنے کے لئے ظالموں سے جہاد کی نہایت کوشش کے ساتھ ملا ہوا ہے ۔یہ بین اور آہ و زاری مومنین کے دلوں کو کام و کوشش، قیام و انقلاب،ثابت قدمی و مقاومت ،محاذ لینے، جہاد کرنے، اسلام کی طرف بلانے، بنانے بگاڑنے اور امام زمانہ کے ظہور اور آپ کی آفاقی حکومت کے قیام و تشکیل کے لئے زمین ہموار کرتی ہے کہ جس کا خدا نے اپنی کتاب میں وعدہ کیا ہے :(وَلَقَد کَتَبنَا فِی الزَّبُورِ مِن بَعدِ الذِّکرِ...)اس میں شک نہیں ہے کہ امام مہدیؑ کا ظہور اس نسل کے گزر جانے کے بعد ہوگا جو آپؑ کے ظہور و قیام کے لئے زمین ہموار کرے گی کیونکہ اس سلسلہ میں اسلامی نصوص تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں،یہی وہ نسل ہے کہ امام مہدی کے ظہور و قیام کے لئے زمین ہموار کرے گی،اس صورت میں انتظار کے یہ معنی ہوں گے کہ امر بالمعروف،کوشش و عمل میں جلدی اور تیزی کے ساتھ زمین ہموار کی جائے۔جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں، ولاء میراث اور انتظار ہی ہے، میراث ہمیں انبیاء و صالحین کے راستہ پر چلنے کی ترغیب کرتی ہے اور انتظار ہمیں امید کی اس درخشاں کرن کو کھولنے پر ابھارتی ہے کہ جس کو خدا

[1] دعائے ندبہ

ہمارے لئے مستقبل میں کھولے گا ۔ لیکن اس امید کے لئے واجب ہے کہ وہ ہمیشہ کوشش وجانفشانی اور تگ ودو سے متصل ہو، یہاں تک کہ خدا کے اذن سے یہ وعدہ پورا ہو جائے، انتظار و امید علامات کانام نہیں ہے ۔

زیارت

زیارت ولاء کا مظہر اور اس کے آثار میں سے ہے: زیارت ایک واضح حالت ہے جو ہماری اہل بیتؑ سے محبت کے لئے مشہور ہے ہم اس کی پابندی کرتے ہیں ،اس کی طرف دعوت دیتے ہیں، ولاء کے دائرہ میں زیارت کی ایک تہذیب و ثقافت ہے، اس کے کچھ آداب ہیں، کچھ نصوص ہیں جن کی تلاوت کرتے ہیں یہ ولاء کے ثقافتی افکار و مفاہیم سے معمور ہیں اور زندگی میں اس کا ایک اثر ہے ۔زیارت کی غرض ،تاریخ میں صالح و ہدایت سے مالامال راستہ کے ذریعہ عضوی و ثقافتی استحکام ہے ۔

ہم اس کارواں کا جز ہیں جو توحید، اخلاص، تقویٰ، نماز، جہاد، زکواۃ، امر بالمعروف، ذکر، شکر اور صبر و قوت کے اقدار سے مالا مال ہے ۔ ہم اس مبارک راستہ یا قافلہ کا جز لایتجزا ہیں کہ جس کا سلسلہ تاریخ میں اہل بیتؑ سے لیکر انبیاء کی تحریک تک پھیلا ہوا ہے، آدم سے نوح وابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ وغیرہ تک ہے، ہم اس راستہ کا جز ہیں اور اس تاریخی جنگ و کشمکش کا جز ہیں جو اس کے راستہ کے ہر مرحلہ میں اسلام و جاہلیت اور توحید و شرک کے درمیان ہوتی رہی ہیں، ہم اس شجر طیبہ کا جز ہیں کہ جس کی جڑیں تاریخ کی گہرائیوں میں اتری ہوئی ہیں ۔ ہم اس شجر کی شاخیں ہیں، اس درخت سے ہمیں نسبت ہے ،اس کی ہمیں حفاظت کرنا چاہئے: (أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰہ مَثَلاً كَلِمَۃً طَيِّبَۃً كَشَجَرَۃٍ طَيِّبَۃٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ) کیا تم نے غور نہیں کیا کہ خدا نے پاک کلمہ کی مثال پاک درخت سے دی ہے، اس کی جڑ ثابت و محکم ہے اور اس کی شاخیں آسمانوں میں ہیں ۔ اس درخت سے ہمارا رشتہ ہے، اس کے بارے میں ہمیں اپنے ضمیر و وجدان اور عقل و دل میں غور کرنا چاہئے اور جب ہمیں اس شجر طیبہ اور تاریخ کے اس مبارک خاندان سے نسبت کا گہرا احساس ہوگا تو اسی تناسب سے چیلنج کے مقابلہ میں ہماری قوت، صبر و صلابت زیادہ ہوگی اور خوفناک راستوں اور لغزشگاہوں جو راہ زندگی میں

ہمارے سامنے آتی ہیں، ان کے خلاف ہمارے اندر ثبات و استقلال میں اضافہ ہوتا ہے ۔زیارت اس استحکام کا اہم عامل ہے زیارت سے ایک قوی پر شفقت فضا پیدا ہوتی ہے جس میں اس مبارک خاندان اور تاریخ کے اس صالح راستہ سے تہذیبی ، ثقافتی اور تحرک کی نسبت کی تاکید کی گئی ہے۔ رسولؐخدا، امیر المومنینؑ، فاطمہ زہراؑ ، حسنؑ و حسینؑ، تمام اہل بیتؑ، انبیاء ،اولیاء خدا اور صالح مومنین کے لئے جو زیارتیں اہل بیتؑ سے نقل ہوئی ہیں وہ اس تہذیبی اور ثقافتی میراث سے معمور ہیں اور اس راستہ پر چلنے اور اس مبارک خاندان سے نسبت اوران کے دشمنوں اور ان سے جنگ کرنے والوں سے اعلانِ برأت کے مفہوم سے بھری ہوئی ہیں۔ میں نے اپنی کتاب ''الدعا عند اہل البیتؑ '' کی آخری فصل میں زیارت کے بارے میں ایک تحقیق پیش کی ہے، لہٰذا ہم نے جو بات وہاں بیان کی ہے اسی پر اکتفاء کرتے ہیں یہاں اس کی تکرار نہیں کریں گے۔ مکتب اہل بیتؑ سے منسوب ہونے کے طریقے اب ہم اس بحث کے آخری نقطہ کو بیان کرتے ہیں اور یہ ولاء و برائت اور اس کے حصول کے طریقوں کی بلندی ہے۔ بیشک ولاء و میراث ۔تولیٰ و تبرّیٰ۔انسان کے لئے معراج ہیں، تولیٰ و تبریٰ کے ذریعہ انسان خدا تک پہنچ جاتا ہے اور اس کی رضا حاصل کر لیتا ہے۔

تولا و تبریٰ کے بغیر انسان خدا کا تقرّب اور اس کی رضا حاصل نہیں کر سکتا ۔ذیل میں ہم تولیٰ و تبریٰ کی بلندی کے بارے میں ائمہ اہل بیتؑ سے وارد ہونے والی بعض حدیثوں کا ذکر کر رہے ہیں۔دنیا و آخرت میں محمدؐ و آل محمدؐ کے ہمراہعبد اللہ بن ولید سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا : مروان کے زمانہ میں ہم امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے دریافت کیا : آپ لوگ کون ہیں؟ ہم نے کہا : اہل کوفہ ہیں،آپ نے فرمایا : اہل کوفہ ہمیں سب سے زیادہ دوست رکھتے ہیں خصوصاً یہ گروہ، بیشک خدا نے تمہاری اس چیز کی طرف راہنمائی کی ہے جس سے لوگ جاہل ہیں، تم نے ہم سے دوستی کی جبکہ دوسروں نے ہم سے عداوت کی، تم نے ہمارا اتباع کیا اور لوگوں نے ہماری مخالفت کی، تم نے ہماری تصدیق کی، لوگوں نے ہمیں جھٹلایا، خدا تمہیں اس طرح زندہ رکھے جس طرح ہمیں زندہ رکھتا ہے اور اس طرح موت دے جس طرح ہمیں موت دیتا ہے، میں شاہد ہوں میرے باپ کہتے تھے۔ تم

میں سے کسی شخص اور اس چیز کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے کہ جس کے ذریعہ آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے یا جس پر غبطہ کیا جاتا ہے مگر یہ کہ اس کا نفس یہاں تک پہنچ جاتا ہے ۔ اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ فرمایا: خداوند عالم نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ''وَلقَد أرسَلنَا رُسُلاً مِن قَبلِکَ وَ جَعَلنَا لَهُم أزوَاجاً وَ ذُرّيّةً''و نحن ذریۃ رسول اللّٰہ[1] ۔ ''اور ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے ہیں ان کے لئے بھی ہم نے بیویاں اور ذریت قرار دی تھی'' اور ہم رسولؐ کی ذریت ہیں ۔زیارت معروفۂ عاشورہ میں ہے'': واحینا محیا محمد و آل محمد و امتنا ممات محمد و آل محمد ''ہمیں محمد و آل محمد کی حیات عطا فرما اور ہمیں محمد و آل محمد کی موت دے ۔خدا ان پر کرم کرتا ہے رسول اللہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا '': یقول اللّٰہ عزّ و جلّ لشیعتی و شیعۃ أہل بیتي یوم القیامۃ ھلمّ یا عبادی إلیّ لأنشر علیکم کرامتي، فقد أوذیتم في الدنیا'' ۔روز قیامت خدا وند عالم میرے اور میرے اہل بیتؑ کے شیعوں سے فرمائیگا، میرے بندو! میرے پاس جلدی آؤ تاکہ میں تمہیں اپنے کرم سے سر فراز کروں،یقیناً تمہیں دنیا میں اذیت دی گئی ہے ۔[2] وہ ہم سے اور ہم رسولؐ سے تمسک رکھتے ہیں

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے والد فرمایا کرتے تھے'': ان شیعتنا آخذون بحجزتنا، و نحن آخذون بحجزۃ نبینا، و نبینا آخذ بحجزۃ اللّٰہ''[3] ۔ ہمارے شیعوں نے ہمارا دامن، ہم نے رسولؐکا دامن اور رسولؐ نے خدا کا دامن تھام رکھا ہے، مجلسی لکھتے ہیں'' : اخذت بحجز الرّحمان '' کا مطلب یہ ہے کہ میں خدا سے وابستہ ہوں ۔[4] امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا'': اذا کان یوم القیامۃ أخذ رسول اللّٰہ بحجزۃ ربہ (اعتصم بہ) و أخذ علي ۔ بحجزۃ رسول اللّٰہ، و أخذنا بحجزۃ عليؑ، و أخذ شیعتنا بحجزتنا، فأین ترون یوردنا رسول اللّٰہ ''جب قیامت کا دن ہوگا تو رسولؐ خدا سے لولگا ئیں گے اور علی،رسول کے دامن سے وابستہ ہوں گے اور ہم علیؑ کا دامن تھام لیں گے اور ہمارے شیعہ ہمارے دامن سے وابستہ ہوں گے پس دیکھنا کہ رسولؐ ہمیں کہاں پہنچائیں گے ۔[5]

---

[1] بحار الانوار: ج۶۵ ص ۲۰ ۔ ۲۱ ح ۳۴
[2] بحار الانوار: ج۶۵ ص ۱۹ ح۲، عیون اخبار الرضا سے مختلف ہے، ج ۲ ص ۶۰
[3] بحار الانوار: ج۶۵ ص ۳۰ ح ۶۰ محاسن ۱۸۳
[4] بحار الانوار: ج۶۵ ص ۳۰
[5] بحار الانوار: ج۶۸ ص ۳۰ ح ۶۱، محاسن ۱۸۳

علی بن الحسینؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ورع و اجتہاد کا زیادہ حقدار وہ ہے جو خدا کیلئے محبت کرتا ہے اور خدا کیلئے راضی ہوتا ہے اوصیاء اور ان کا اتباع کرنے والا ہے کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ اگر آسمان سے کوئی خوفناک چیز ظاہر ہو تو ہر گروہ اپنی پناہ کی طرف دوڑتا ہے اور تم ہماری طرف پناہ لیتے ہو اور ہم اپنے نبیؐ کی پناہ لیتے ہیں، ہم اپنے نبی کے دامن کو تھام لیتے ہیں اور ہمارے شیعہ ہمارے دامن سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ جو چیز خدا انہیں آخرت میں عطا کرے گا جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ایک روز میں رسولؐ کی خدمت میں حاضر تھا آپؐ علی بن ابی طالبؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے ابو الحسنؑ! کیا میں تمہیں بشارت دوں؟ عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ ضرور دیجئے، فرمایا: یہ جبریلؑ ہیں جو خدا کی طرف سے یہ خبر لائے ہیں کہ اس نے تمہارے شیعوں اور محبوں کو نو خصلتیں عطا کی ہیں:

۱۔ موت کے وقت، نرمی و شفقت

۲۔ وحشت و تنہائی میں، انس

۳۔ تاریکی میں نور

۴۔ خوف و خطر کے وقت امن

۵۔ اعمال تولتے وقت وافر حصہ

۶۔ صراط سے گزرنا

۷۔ تمام لوگوں سے پہلے جنت میں داخل ہونا

۸و۹۔ ان کے نور کا ان کے سامنے اور دائیں طرف چمکنا علی بن ابی طالبؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ہماری ولایت کے قائل لوگ روزِ قیامت اپنی قبروں سے اس حال میں اٹھیں گے کہ ان کے چہرے درخشاں ہوں گے، ان کی شرم گاہیں چھپی ہوئی ہوں گی، ان کے دل مطمئن ہوں گے، سختیاں ان سے برطرف کر دی جائیں گی، ان کے وارد ہونے کو آسان کر دیا جائیگا، لوگ خوف زدہ ہوں گے لیکن انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا ،لوگ رنجیدہ ہوں گے لیکن انہیں کوئی غم نہیں ہوگا[1]۔ابن عباس سے روایت ہیکہ انہوں نے کہا: میں نے رسولؐ سے خدا کے اس قول (وَالسَّابِقُون السَّابِقُون أولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُون فِي جَنَّاتِ النَّعِيم) کے معنی دریافت کئے تو آپ نے فرمایا: جبریل نے کہا ہے کہ وہ علی اور ان کے شیعہ ہیں وہی جنت کی طرف سبقت کرنے والے ہیں اور وہ خدا سے اس کرامت کے ذریعہ قریب ہوں گے جو خدا نے انہیں عطا کیا ہے[2]۔ ہمارے ساتھ اور ہم میں سےامام رضاؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رسولؐ نے فرمایا: میں اور یہ یعنی علیؑ ان دو انگلیوں کی مانند ایک ساتھ ہوں گے اور اپنی دونوں انگلیوں کو متصل کر لیا، اور ہمارے شیعہ ہمارے ساتھ رہیں گے اور اس طرح وہ شخص بھی ہمارے ساتھ رہے گا جس نے کسی مظلوم کی مدد کی ہوگی[3]۔ عمر بن یزید سے روایت ہے کہ اس نے کہا: امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔

اے یزید کے بیٹے! خدا کی قسم تم ہم اہل بیتؑ میں سے ہو، راوی کہتا ہے، قربان جاؤں! میں آل محمد میں سے ہوں؟ فرمایا: ہاں خدا کی قسم انہیں میں سے ہو۔ کیا تم نے خدا کا یہ قول نہیں پڑھا ہے: (إن أولىٰ النَّاس بِإبراهيمَ للّذِين اتّبَعُوهُ وَ هٰذا النّبِي[4]) یا خدا کا یہ قول نہیں پڑھا (فَمَن تَبِعَنِي فَإنَّهُ مِنّي[5]) ۔ ابراہیم سے ملحق ہونے کے وہ لوگ زیادہ حقدار ہیں کہ جنہوں نے ان کا اور اس نبی کا اتباع کیا۔ پھر جس نے میرا اتباع کیا وہ مجھ سے ہے۔امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ہمارے شیعہ ہمارا جز ہیں، انہیں وہی چیز غمگین کرتی ہے جو ہمیں رنجیدہ کرتی ہے اور انہیں اسی چیز سے مسرت ہوتی ہے جس سے ہمیں مسرت ہوتی ہے پھر اگر ان

---

[1] بحار الانوار: ج۶۸ ص ۱۵ ح ۱۷
[2] بحار الانوار: ج۶۸ ص ۲۰ ح ۳۳
[3] بحار الانوار: ج۶۸ ص ۱۹، عیون اخبار الرضا: ج ۲ ص ۵۸، امالی طوسی: ج ۱ ص ۷۰
[4] آل عمران: ۶۸
[5] ابراہیم: ۳۶

میں سے کوئی ہمیں چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ ان کے پاس جائے کیوں کہ وہ اس کے ذریعہ ہم سے وابستہ ہے[1]۔امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: جس نے آل محمدؐ سے محبت کی اور ان کو اس طرح تمام لوگوں پر مقدم کیا جس طرح خدا نے انہیں رسولؐ کی قرابت کے سبب سب پر مقدم کیا ہے تووہ آل محمدؐ سے ہے کہ اسے آل محمد سے نسبت ہے، وہ ان سے تولا رکھتا ہے اور ان کا اتباع کرتا ہے خدا وند عالم نے اپنی کتاب میں اسی طرح حکم فرمایا ہے: (وَ مَن یَتَوَلَّہُ مِنکُم فَإِنَّہُ مِنهُم[2]) فلاح و کامیابی جابر بن یزید سے انہوں نے امام محمد باقرؑ سے اور آپؑ نے زوجۂ رسولؐ ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسولؐ سے سنا ہے: ''إن علیاً و شیعتہ هم الفائزون''[3]علی اور ان کے شیعہ کامیاب ہیں۔تولیٰ و تبریٰ کے سبب شہیدوں میں شرکت معتصم کے ماموں ریان بن شیب سے صحیح حدیث میں آیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں پہلی محرم کو ابو الحسن امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہواآپ نے ۔ایک طویل حدیث کے بعد۔مجھ سے فرمایا: اے شیب کے بیٹے اگر تم کسی چیز پر رونا چاہو تو حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب پر روؤکیونکہ انہیں بے دردی سے ذبح کیا گیا ہے اور ان کے اہل بیتؑ سے ایسے اٹھارہ مرد قتل ہوئے ہیں جن کی مثال روئے زمین پر نہیں ہے ۔اے شیب کے بیٹے اگر تم جنت میں بنے ہوئے محل میں نبیؐ کے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو قاتلان حسینؑ پر لعنت کرو۔

اے شیب کے بیٹے اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تم کو اس شخص کے برابر ثواب ملے جو امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے ہیں تو جب بھی تمہیں حسینؑ کی یاد آئے تو یہ کہنا: ''یا لیتنی کنت معهم فافوز فوزاً عظیماً''۔اے شیب کے بیٹے اگر تم جنت کے بلند درجوں میں ہمارے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو ہمارے غم میں غم مناؤ اور ہماری خوشی میں خوشی مناؤ اور ہماری دوستی و ولایت سے تمسک رکھو کیونکہ اگر کوئی شخص پتھر سے محبت کرے گا تو قیامت کے روز خدا اسے اسی کے ساتھ محشور کرے گ[4]۔ یہ حدیث صحیح ہے، اس چیز پر

---

[1] بحار الانوار: ج۶۸ ص ۲۴، امالی طوسی: ج ۱ ص ۳۰۵
[2] بحار الانوار: ج۶۸ ص ۳۵، تفسیر عیاشی: ج ۲ ص ۳۲
[3] ارشاد: یہ روایت ہم پہلے سیوطی کی درمنثور سے نقل کرچکے ہیں.
[4] امالی صدوق: ص ۷۹ مجلس ۲۷

انسان کو ٹھہر جانا چاہئے اور اگر اس حدیث کی سند صحیح بھی نہ ہو تو ہم اس کوایک قسم کے مبالغہ پر حمل کریں گے جو کہ مرسل و ضعیف حدیثوں میں عام طور پر پایا جاتا ہے ۔آپ کے سامنے ہم حدیث کا ایک عجیب فقرہ پھر پڑھتے ہیں ''یابن شبیب أن سرّک أن یکون لک من الثواب مثلها لمن استشهد مع الحسین، فقل متیٰ ما ذکرته: (یا لیتني کنت معهم فأفوز فوزاً عظیماً)''۔اے شبیب کے بیٹے اگر تم اس شخص کے برابر ثواب حاصل کرنا چاہتے ہو کہ جو امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوا ہے تو جب تم انہیں یاد کرو تو یہ کہو: اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا اور عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوتا ۔بیشک جب یہ آرزو سچی اور حقیقی ہوگی اور امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب کے فعل سے خوشی اور بنی امیہ اور ان کے طرف داروں سے ناراضگی کے ساتھ ہوگی تو سچی ہوگی اور راضی و ناراضگی کی تمنا کرنے والے کو ،امام حسینؑ کے محبوں میں قرار دے گی اور اسے ان لوگوں کے ثواب میں شریک قرار دے گی جو آپ کے ساتھ شہید ہوئے ہیں نتیجہ میں نیت خداوند کے نزدیک عمل میں بدل جائیگی اور جب نیت صحیح اور عزم محکم ہوگا تو خدا کے نزدیک قیامت کے دن یہی نیت عمل سے ملحق ہو جائیگی یہ نیت و عمل کے درمیان لگاؤ میں عجیب ترین انقلاب ہے اور نیت کے عمل سے بدل جانے میں اجر و ثواب ہے ،اور یہ ایک قانون ونظام ہے ، بالکل ایسے ہی جیسے مادہ طاقت میں بدل جائے فزکس میں اس کا نظام و قانون ہے، یہ ایجاب و سلب اور اثبات و نفی میں عجب قانون ہے ایسے ہی اجر و ثواب میں ہے۔

جس طرح نیک عمل کی نیت صاحب نیت کو صالحین کے ثواب میں شریک کر دیتی ہے ،اسی طرح ظلم کرنے کی نیت یا ظالم کے عمل سے خوش ہونا انسان کو عذاب و ظلم میں شریک کر دیتا ہے ۔ محمد بن الارقط کہتے ہیں: میں مدینہ میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔آپؑ نے فرمایا :کیا تم کوفہ سے آئے ہو؟ عرض کی : ہاں!فرمایا : تم حسینؑ کے قاتلوں کو دیکھتے ہوگے ۔ میں نے عرض کیا : میں قربان، ان میں سے میں نے کسی کو نہیں دیکھا ہے ۔ فرمایا : اگر تم ان کے قاتل کو نہیں دیکھتے تو کیا قتل کے ذمہ دار کو بھی نہیں دیکھتے ؟کیا تم نے خدا کا قول نہیں سنا :(قَد جَاءَکُم رُسُلٌ مِن قَبلِی بِالبَیِّنَاتِ وَ بِالَّذِی قُلتُم فَلِمَ قَتَلتُمُوهُم إن کُنتُم صَادِقِینَ[1])

[1] آل عمران: ۱۸۳

ان لوگوں نے کسی رسول کو قتل کیا تھا کہ جن کے درمیان محمدؐ رہتے تھے جبکہ آپؐ کے اور عیسیؑ کے درمیان کوئی رسول نہیں تھا یہاں یہ لوگ رسول کے قتل سے راضی تھے اس لئے ان کو قاتل و ظالم کا نام دیا گیا ہے ۔آیتوں میں سے جس آیت کی طرف امام جعفر صادقؑ نے اشارہ فرمایا ہے وہ ہے سورہ آل عمران کی ۸۳ ویں آیت: (اَلَّذِینَ قَالُوا إِنَ اللہَ عَہِدَ اِلَینَا اِلَّا نُؤمِن بِرَسُولٍ حَتَّی یَأتِیَنَا بِقُربَانٍ تَأکُلُہُ النَّارُ قُل قَد جَاءکُم رُسُلٌ مِن قَبلِی بِالبَیِّنَاتِ وَ بِالَّذِی قُلتُم فَلِمَ قَتَلتُمُوھُم ن کُنتُم صَادِقِین(جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم سے خدا نے یہ عہد لیا ہے کہ کسی رسولؐ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہمارے سامنے ایسی قربانی پیش نہ کر دے کہ جس کوآگ کھا جائے، رسولؐ آپ ان سے کہہ دیجئے مجھ سے پہلے بھی واضح دلیلوں اور تمہاری مطلوب قربانی کے ساتھ تمہارے پاس رسول آئے تھے اگر تم سچے ہو تو پھر تم نے انہیں کیوں قتل کر دیا؟اس میں شک نہیں ہے کہ اس آیت (فَلِمَ قَتَلتُمُوھُم إِن کُنتُم صَادِقِین...) میں رسولؐ کے معاصر یہودی مخاطب ہیں اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ ان یہودیوں نے کسی رسولؐ کو قتل نہیں کیا تھا اور ان یہودیوں اور ان قاتلوں کے درمیان چھ سو سال کا فاصلہ ہے لیکن قرآن اس کے باوجود حقیقت میں ان کی طرف قتل کی نسبت دیتا ہے ۔اور یہ نسبت مجازی طریقہ سے نہیں جیسے: (فَسأَلُوا اَلقَریَۃَ...) قتل کی اس نسبت کی کوئی توجیہ و تفسیر بھی نہیں ہے سوائے یہ کہ ہم اس قاعدہ کلیہ کو جانتے ہیں کہ نیت کے لحاظ سے راضی و ناراض ہونے سے نیت عمل سے بدل جاتی ہے ۔بیشک سچی نیت و آرزو اور صداقت پر مبنی رضا و ناراضگی عمل کی قیمت رکھتی ہے اور اس نیت کے حامل کی طرف عمل کی نسبت دینا صحیح ہے،اس نے خلوص کے ساتھ اس کی تمنا کی تھی اور خلوص کے ساتھ اس سے خوش ہوا تھا جیسا کہ کتاب خدا میں وارد ہوا ہے ۔

سید رضی نے نہج البلاغہ میں روایت کی ہے:جب خدا نے آپ کو جمل والوں پر فتح عطا کی تو آپ کے کسی صحابی نے آپ کی خدمت میں عرض کی میں اس بات کو دوست رکھتا تھا کہ میرا فلاں بھائی موجود ہوتااور وہ آپ کی اس فتح کو دیکھ لیتا جو خدا نے آپ کے دشمنوں پر آپ کو عطا فرمائی ہے ۔فرمایا: کیا تمہارا بھائی ہمیں دوست رکھتا ہے ؟اس نے کہا: ہاں فرمایا: وہ ہمارے پاس موجود تھا ، وہ تنہا نہیں تھا، ہمارے اس لشکر میں وہ بھی موجود تھے جو ابھی مردوں کے صلب اور عورتوں کے رحموں میں ہیں، عنقریب زمانہ

انہیں ظاہر کرے گا اور ان سے ایمان کو تقویت ملے گی۔یہ قانون اور سنت الٰہی ہمیں صالحین کے اعمال میں شریک کر دیتی ہے اور ثواب میں ہمیں ان سے ملحق کر دیتی ہے اس اعتبار سے ہم انبیاء،اولیاء اور صالحین کے اعمال میں شریک ہیں، کیونکہ ہم نے ان اعمال کی نیت کی تھی اور اس سے راضی تھے اور اس کو دوست رکھتے تھے اور سچے دل سے اس کی تمنا کرتے تھے، جیسا کہ اس کے برعکس بھی صحیح ہے۔پس جو شخص ظالموں کے اعمال سے راضی ہوگا اور انکے ظلم و جور اور برے اعمال سے خوش ہوگا اور ان ی تمنا کرتا ہوگا ان کی نیت رکھتا ہوگااور ان سے دفاع کرتا ہوگا تو خدا اسے انہیں کے ساتھ محشور کرے گا اگر چہ وہ وہاں موجود بھی نہیں تھا اور اس کو انہیں کا عذاب دیا جائیگا ۔یہ روایت جو وارد ہوئی ہے کہ آل محمدؐ سے حضرت مہدیؑ ظہور فرمائیں گے تو حسینؑ کے قاتلوں کو قتل کریں گے ان سب کو جمع کریں گے اور انہیں ان سے ملحق کریں گے اور قتل کر دیں گے اس کے معنی یہ ہیں کہ امام مہدیؑ اس شخص کو قتل کریں گے ، جو امام حسینؑ کے قاتلوں کو دوست رکھتا ہے ،تاکہ ان کے رجس و ظلم سے زمین کو پاک کر دیں۔ زیارت امام حسینؑ،جو کہ زیارت وارث کے نام سے مشہور ہے، میں اس قانون کی دقیق تشخیص ہوئی ہے ۔ جو امام حسینؑ کے قاتلوں اوران پر ظلم کرنے والوں اور ان کے قتل سے خوش ہونے والوں پر لعنت کرتا ہے ۔زیارت کے جملے یہ ہیں: ''لعن اللّٰہ أمۃ قتلتکم و لعن اللّٰہ أمۃ ظلمتکم، و لعن اللّٰہ أمۃ سمعت بذلک فرضیت بہ''خدا لعنت کرے اس گروہ پر جس نے آپ کو قتل کیا، خد لعنت کرے اس گروہ پرجس نے آپ پر ظلم کیا ،خدا لعنت کرے اس گروہ پر جس نے یہ سب کچھ سنا اور اس سے راضی ہوا ۔

اس میں پہلا گروہ قتل کا ذمہ دار ہے ۔دوسرے گروہ نے پہلے گروہ کی تائید و تقویت کی ہے ۔تیسرا گروہ وہ ہے جو قتل حسینؑ سے خوش ہوا ،یہ گروہ پہلے گروہ سے زیادہ بڑا ہے ۔اس کا حلقہ تاریخ و جغرافیہ سے زیادہ وسیع ہے۔مجھے یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس گفتگو کو عطیہ عوفی کی اس روایت پر ختم کردوں جو انہوں نے جلیل القدر صحابی جابر بن عبد اللّٰہ انصاری سے کی ہے ،جب جابر نے سانحہ کربلا کے بعد امام حسینؑ کی قبر کی زیارت کی۔بشارت مصطفیٰ میں عطیہ عوفی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا :

میں جابر بن عبد اللہ انصاری کے ساتھ قبرِ حسینؑ بن علی بن ابی طالبؑ کی زیارت کیلئے گیا، جب ہم کربلا پہنچے تو جابر فرات پر گئے اور غسل بجالائے پھر ایک چادر کو لنگی کی طرح باندھ لیا اور دوسری کو اوڑھ لیا ایک خوشبو کی تھیلی نکالی اور اس کو اپنے بدن پر ملا اور قدم قدم پر ذکرِ خدا کرتے ہوئے چلے جب قبرِ حسینؑ کے قریب پہنچے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے قبر سے مس کرو تو میں نے انہیں قبر سے مس کیا، جابر بیہوش ہو کر قبر پر گر پڑے میں نے ان پر پانی چھڑکا جب وہ ہوش میں آئے تو تین مرتبہ کہا: یا حسین! دوست، دوست کا جواب نہیں دیتا؟پھر کہا: آپ کیسے جواب دیں گے جب کہ آپ کو پسِ گردن سے ذبح کیا گیا ہے آپ کے سر کو بدن سے جدا کر دیا گیا ہے۔ اے سید النبیین کے بیٹے،اے سید المومنین کے فرزند،اے حلیف تقویٰ کے پسر،ہدایت کی نسل اور اے خامس آل عبا،اے سید النقباء کے لختِ جگر،اے فاطمہؑ کے نورِ نظر،آپ ایسے کیوں نہ ہوں،جب کہ آپ کو سید المرسلین نے کھانا کھلایا، سید المتقین کے سایہ میں تربیت ہوئی، ایمان کا دودھ پلایا گیا،اسلام کے ذریعہ دودھ بڑھائی ہوئی آپ زندگی میں بھی طیب وطاہر رہے اور موت کے بعد بھی پاک و پاکیزہ رہے لیکن آپ کے فراق میں مومنوں کے دلوں کو سکون نہیں ہے اور آپ نے جو راستہ اختیار کیا اس کی شکایت نہیں کی جا سکتی،آپ پر خدا کا سلام اور اس کی رضا ہو۔آپ نے وہی راستہ اختیار کیا جس کو آپ کے بھائی یحییٰ بن زکریا نے اختیار کیا تھا۔

پھر جابر بن عبد اللہ انصاری نے قبر کے چاروں طرف دیکھا اور کہا: سلام ہو تم پر اے روحو!کہ جو بارگاہ امام حسینؑ میں پہنچیں اور میں نے اپنا سامان سفر اتار دیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز قائم کی زکواۃ ادا کی، نیکی کا حکم دیا، برائیوں سے روکا،آپ نے ملحدوں سے جہاد کیا اور آخری سانس تک خدا کی عبادت کی، قسم اس ذات کی جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ نبیؐ بنا کر بھیجا یقیناً ہم بھی اس چیز میں آپ کے شریک ہیں جس میں آپ داخل ہوئے ہیں۔ عوفی نے کہا: میں نے کہا: کیسے ؟نہ ہم کسی وادی میں اترے نہ کسی پہاڑ پر چڑھے اور نہ ہم نے تلوار چلائی اور ظالموں نے ان کے سر و بدن میں جدائی کر دی،ان کی اولاد کو یتیم کر دیا او ران کی بیویوں کو بیوہ کر دیا ۔ جابر نے کہا: اے عطیہ! میں نے اپنے حبیب رسولؐ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے: جو شخص کسی قوم سے محبت

کرتا ہے وہ اسی کے ساتھ محشور ہوگا اور جو شخص کسی قوم کے عمل کو دوست رکھتا ہے اس کو اس کے عمل میں شریک کیا جائیگا۔ قسم اس ذات کی جس نے حق کے ساتھ محمد کو نبیؐ بنا کر بھیجا میری نیت اور میرے ساتھیوں کی نیت وہی راستہ ہے جس سے امام حسینؑ اور انکے اصحاب گزرے ہیں مجھے کوفیوں کے گھروں کی طرف لے چلو۔ ہم راستہ طے کر رہے تھے کہ جابر نے کہا: اے عطیہ! کیا میں تمہیں وصیت کروں؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس سفر کے بعد تم سے میری ملاقات نہیں ہوگی، دیکھو، ان لوگوں سے محبت کرنا جو آل محمدؐ سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو دشمن سمجھنا جو آل محمدؐ کو دشمن سمجھتے ہیں خواہ کتنے ہی نماز اور روزہ دار ہوں، محمدؐ و آل محمدؐ کے محب کے رفیق بن جاؤ، کیونکہ اگر کسی گناہ میں لغزش ہو جائیگی تو ان کی محبت کی وجہ سے وہ صحیح ہو جائیگا بیشک آپ کا محب اور دوست جنت میں اور ان کا دشمن جہنم میں جائیگا۔ استدراک و الحاق

اہل بیتؑ کون ہیں

اس گفتگو کے آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ سوال پیش کئے جائیں جو کہ گذشتہ بحث سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اہل بیت کون ہیں کہ جن کو سیاسی امامت اور فقہ و ثقافت کی مرجعیت رسولؐ سے قیامت تک کیلئے میراث ملی ہے؟ جواب: مسئلہ اس سے کہیں واضح ہے کہ انسان اس کے بارے میں غور و فکر کرے، بیشک رسولؐ کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ حلال و حرام، اصول و فروع میں امت کی مرجعیت قیامت تک کے لئے غیر معین جماعت کے حوالے کر دیں اس جماعت کو معین، واضح اور مشہور ہونا چاہئے اور ہمیں پوری تاریخ میں رسولؐ کے اہل بیتؑ میں سے ائمہ اثنا عشر، کہ جن کو شیعہ امام مانتے ہیں، کے علاوہ کوئی ایسی مشہور جماعت نہیں ملتی کہ جس نے تاریخ میں اپنی امامت اور مسلمانوں کی مرجعیت کا اعلان کیا ہو اور تاریخ اسلام میں ہی رسولؐ کے اہل بیتؑ مشہور ہیں، انہیں کا علم و جہاد اور فہم و میراث ہم تک سینکڑوں جلدوں میں پہنچی ہے، جس کو اس مکتب کے بلند مرتبہ علماء ایک دوسرے سے نسلاً بعد نسل میراث میں لیتے رہے ہیں، یہی سیاسی و فقہی امامت میں خود کو رسولؐ کا وارث سمجھتے ہیں اور رسولؐ کے بعد یہی

معصوم ہیں۔ رسول کے بارہ امام ہوں گےرسولؐ سے ایسے صحیح طریقوں سے کہ جن میں شک نہیں کیا جا سکتا یہ بیان ہوا ہے کہ رسولؐکے بعد امامت راشدہ بارہ امیروں میں منحصر ہوگی اور وہ سب قریش سے ہوں گے اور یہ روایتیں محمد بن اسماعیل بخاری کے نزدیک صحیح ہیں۔[1] اور مسلم بن حجاج نیشاپوری نے بھی اپنی صحیح میں[2] ترمذی نے اپنی صحیح میں۔[3] حاکم نے مستدرک الصحیحین[4] اور احمد بن حنبل نے مسند میں متعدد مقامات پر اور بہت سے حدیث نبوی کے حفاظ نے بھی ان حدیثوں کو نقل کیا ہے اور تاریخ اسلام میں ہمیں ایسے بارہ عادل امام و امیر نہیں ملتے ہیں کہ جو ایک دوسرے کے بعد ہوئے ہیں: یہ امر ختم نہیں ہوگا یہاں تک کہ ان کی تعداد مکمل ہو جائیگی اور دین ایسے ہی قائم رہے گا ، یہاں تک کہ ان میں سے بارہ ہوں گے، ان کی تعداد اتنی ہی ہوگی کہ جتنی بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد تھی اس کے علاوہ اور بھی صحیح روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ تاریخ اسلام میں اس واضح صفت کے حامل ہمیں بارہ امام و امیر، ائمہ اہل بیتؑ کے ان مشہور بارہ اماموں کے علاوہ نہیں ملتے ہیں کہ جن کی امامت سے شیعیان اہل بیت وابستہ ہیں، اگر ہم ان کی امامت کا انکار کر دیں تو رسولؐ کی حدیث صحیح نہیں رہے گی اور اس کا کوئی مصداق نہیں ملے گا اور ایسی بات قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والا نہیں کہے گا۔

آیت تطہیر

ہماری اس بات کا دوسرا ثبوت سورۂ احزاب کی آیت تطہیر ہے: (اِنّمَا یُرِیدُ اللہ لِیُذهِبَ عَنکُمُ الرِّجسَ اَهلَ البَیتِ وَ یُطَهِّرَکُم تَطهِیرًا[5]) اہل بیت، خدا کا بس یہ ارادہ ہے کہ تم کو ہر رجس سے پاک رکھے اور ایسے پاک رکھے جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے۔ اس میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رسولؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسن و حسینؑ کو کساء کے نیچے جمع کیا ان کے علاوہ کسی غیر کو آنے کی

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الاحکام
[2] صحیح مسلم: کتاب الامارۃ : ج۱۲ ص ۲۰۱، ۲۰۴ ، شرح نووی طبع ۱۹۷۲ ء
[3] صحیح ترمذی: ج۷ ص ۳۵ کتاب الفتن
[4] مستدرک الصحیحین: ج۴ ص ۵۰۱
[5] احزاب: ۳۳

اجازت نہیں دی، تو یہ آیت: (اِنَّمَا یُرِیدُ اللہ ...) نازل ہوئی[1]۔ رسولؐ کی حدیثیں اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ رسولؐنے انہیں کو اہل بیتؑ قرار دیا ہے چنانچہ آیت تطہیر کے نزول کے وقت آپؐ نے حضرت علیؑ، فاطمہ، حسن و حسینؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا: ''اللّھم ھولاء أہل بیتی، فاذھب عنھم الرجس و طہر ھم تطہیرا...'' اے اللہ یہی میرے اہل بیت ہیں، ان سے رجس کو کثافت کو دور رکھ اور ان کو اس طرح پاک رکھ جیسے پاک رکھنے کا حق ہے ۔ ام سلمہ نے کہا: اے اللہ! کے رسولؐ میں بھی ان میں سے ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر رہو، تم خیر پر ہو[2]۔ جو روایتیں اہل بیتؑ کو پنج تن پاک میں محدود و منحصر کرتی ہیں ان کے غیر کو نہیں، ان روایات میں بہت سی صحیح بھی ہیں، ان میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے، ان کو ترمذی، طحاوی، ابن اثیر جزری نے اور حاکم نے مستدرک میں اور سیوطی نے در منثور میں بہت سے طریقوں سے نقل کیا ہے، یہ صحیح روایات ان اہل بیتؑ کی تعیین و تشخیص میں ہیں جن کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جن کو رسولؐ نے کساء کے نیچے جمع کیا تھا ۔

اس کے بعد رسولؐ جب صبح کی نماز کیلئے نکلتے تو فاطمہ زہراؑ کے دروازہ پر جاتے اور فرماتے تھے'': الصلوٰۃ یا أھل البیت، (اِنَّمَا یُرِیدُ اللہ لِیُذہِبَ عَنکُمُ الرِّجسَ اَھلَ البَیتِ وَ یُطَہِّرَکُم تَطہِیرًا[3])''۔ سیوطی نے اپنی کتاب در منثور میں اس آیت: (وَأمُر أھلَکَ بِالصَّلوٰۃِ ...) کی تفسیر کے سلسلہ میں ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: جب یہ آیت: (اِنَّمَا یُرِیدُ اللہ...) نازل ہوئی تو حضرت رسالت مآب آٹھ ماہ تک نماز صبح سے پہلے حضرت علیؑ کے دروازہ پر آتے اور کہتے تھے: ''الصلاۃ رحمکم اللہ''۔

نماز، خدا تم پر رحم کرے: (اِنَّمَا یُرِیدُ اللہ لِیُذہِبَ عَنکُمُ الرِّجسَ اَھلَ البَیتِ وَ یُطَہِّرَکُم تَطہِیرًا[4]) اور آپؐ کے اس عمل کو اصحاب دیکھ رہے تھے ۔ رسولؐ یہ چاہتے تھے کہ وہ اہل بیتؑ معین ہو جائیں کہ جن سے خدا نے رجس کو دور رکھا اور ایسے پاک رکھا جیسا پاک رکھنے کا حق ہے، چنانچہ جب ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ اہل بیتؑ کون ہیں؟ اور ان سے خدا نے رجس کو دور رکھا ہے اور اس طرح پاک رکھا

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل الحسن و الحسین، مستدرک الصحیحین: ۳، سنن بیہقی: ۲،۱۴۹ وغیرہ
[2] صحیح ترمذی: ۲ ، ۲۰۹
[3] صحیح ترمذی: ۲ ، ۲۰۹
[4] تفسیر درمنثور میں، سورہ طٰہٰ ، آیت: ۱۳۲ کے ذیل میں.

ہے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے،تو ہمیں یہ معلوم ہوجائیگاکہ اہل بیتؑ کون ہیں اور امامت اور فقہی مرجعیت آخری زمانہ تک انہیں میں محدود رہی،یہی پنجتن ہیں جن سے خدا نے رجس کو دور رکھا ہے،جیسا کہ قرآن گواہ ہے وہ حق اور سچ کہتے ہیں،جیسا کہ قرآن گواہ ہے اور امامت اور فقہی و ثقافتی مرجعیت ان سے ہی متصل رہے گی، جیسے زنجیر کی کڑیاں ایک دوسرے سے جڑی رہتی ہیں،امام سابق کی وصیت سے، یہاں تک کہ اس کا سلسلہ پہلے امام حضرت علیؑ تک پہنچ جائیگا ۔ اس سے بارہ ائمہ معین ہو جاتے ہیں جن کے بارے میں رسولؐ کی حدیث میں اشارہ ہوا ہے۔

اہل بیتؑ قرآن کی نظر میں

(اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذھِبَ عَنکُمُ الرِّجسَ اَھلَ البَیتِ وَ یُطَھِّرَکُم تَطھِیرًا) ''اے اہل بیت اللہ کا بس یہ ارادہ ہے کہ ہر قسم کے رجس کو تم سے دوررکھے اور تم کو اس طرح پاک رکھے جیسے پاک رکھنے کا حق ہے''[1] ۔اہل بیتؑ حدیثِ رسول کی نظر میں ''إنی تارک فیکم الثّقلین کتاب اللہ وعترتی أھل بیتی ما إن تمس کتبھا لن تضلوا بعدی أبدا '''' میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب خدا اور اپنی عترت جو کہ میرے اہلبیتؑ ہیں اگر تم ان دونوں سے وابستہ رہوگےتو کبھی گمراہ نہ ہوگے''۔ ''صحاح و مسانید''

[1] ''سورۂ احزاب : ۳۳''